

DAMAGE BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188513

UNIVERSAL
LIBRARY

188513

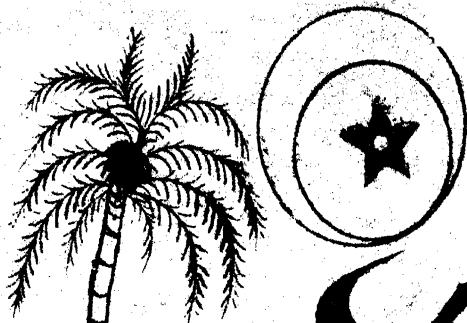
OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۶۲ Accession No. ۸۲۹۸

Author سلطان محمد نواب فرید مس

Title نور - فرید

This book should be returned on or before the date last marked below.



۵۲۳
۵۸

فصل

مجموعه خطبه‌ها از پیر میرزا

سلطان حیدر جوش



نواب

مولف

محمد سلطان حیدر جوش (علیگ)

مطبوعہ نظامی پریس ایون

نظام الدین پٹ

۱۶ ۱۹ء

(عن تالیف محفوظ)

قیمت فی جلد

بار اول ۵۰۰ جلد

فہرست مضامین

(۹ صفحہ)

دیباچہ الف لغایت (ط)

۱

ڈیڈی کیشن

I

۵

(۱) آبا و اجداد

۲۳

(۲) پیدائش کا

۳۸

(۳) شیخ خوبو دور جہانگیری میں اور
{ ایک تاریخی غلط فہمی

۶۲

(۴) نشو و نما

II

۷۵

(۱) دور جہانگیری کی خدمات

۸۵

(۲) دور شاہجہانی کی مہمات

۱۳۲

(۳) دور عالمگیری کے معارک

III

۱۵۷

(۱) کل زندگی پریاک نظر

۱۸۴

(۲) اقارب و اولاد

دیبہ

زمانے میں ہوتے ہیں ماضی حال اور استقبال۔
 زمانہ گزشتہ تاریخ ہی۔ موجودہ کا حال روشن ہو اور مستقبل
 کو نتیجہ حال کہنا چاہئے۔ فن تاریخ نے اسلاف کے کارنامے
 بیان کرنے کے صرف تین طریقے استعمال کئے ہیں بلحاظ زمانہ
 بلحاظ علم اور بلحاظ ذات یعنی ایک ممتاز و قابل تذکرہ شخص کے
 متعلق تاریخ میں انہیں تین طریقوں سے ذکر کیا جاتا ہے
 مثال کے طور پر حضرت فاروق اعظم کو پہلے اول بلحاظ زمانہ
 اگر خلافت کا دور اولین لیا جائے تو جناب فاروق اعظم
 کے کارنامے دیگر خلفاء راشدین کے ساتھ نظر آویں گے
 لیکن صرف اُس قدر جستجو کہ اُس دور سے متعلق ہیں۔ دوم
 بلحاظ علم اگر تہذیب اسلام فتوحات اسلام تمدن اسلام
 میں سے کسی کی تاریخ لکھی جائے تو حضرت فاروق اعظم کا نام
 نامی اس حد تک ضرور معرض تحریر میں آئے گا جس حد تک

اُن کے کارنامے اس خاص شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
 سوم بلحاظ ذات یعنی براہ راست حضرت فاروق اعظم کے
 مدت العمر کی جدوجہد جو انھوں نے ہر شعبہ اور ہر رنگ میں
 کی ہو مجموعی طور پر دکھانی جائے۔ یہ آخری طریقہ ”سوانح عمری“
 کے نام سے معنون کیا جاتا ہے۔ سوانح عمری سے عام طور پر
 اسلاف انسانی کے فرد واحد کے کارنامے۔ اُس کی جدوجہد
 کے نتائج اُس کے تجربات اُس کی لغزشیں سب کچھ معلوم ہو سکتی
 ہیں اور یہ معلومات کل نسل انسانی کو عموماً اور اس خاص قوم
 کو جس سے صاحب سوانح عمری تعلق رکھتا ہو خصوصاً فائدہ
 بخش اور سبق آموز ہو سکتی ہے۔ ہر قوم اپنے دائرہ قومیت
 سے وابستہ ہے اور اس دائرہ کے ممتاز افراد کو دنیا کے
 سامنے فخر کے ساتھ پیش کرتی اور ثابت کرتی ہے کہ اس قوم
 نے بذریعہ اپنے قومی سربراہ اور وہ اسلاف کے انسانی تہذیب
 و تمدن میں تعلیم و معاشرت میں کس درجہ جدوجہد کی ہے اور
 آنے والی نسلوں کے لئے اپنے نتائج چھوڑ کر کس حد تک احسان
 کیا ہے ہر قوم اپنے اسلاف سے مانوس ہوتی ہے اور ایک
 حد تک اُن کی پرستش کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسی جذب

محبت نے عرصہ ہوا کہ مجھے یہ خیال دلایا کہ اپنے مورث اعلیٰ اور بانی شیخ پور نواب فرید کی سوانح عمری لکھوں۔ میرا ذخیرہ معلومات صرف چند خاندانی چٹھوں اور قلمی تذکروں پر مبنی تھا جو میلٹ کے طور پر میرے خاندان میں اور میرے پاس موجود ہیں۔ شیخ پور ضلع بدایوں کی آبادی حضرت فرید گنجشکرؒ کی اولاد کی ایک مشہور اور پرانی بستی ہے اور میرا تمام خاندان شیوخ فریدی الفاروقی سے منسلک ہے جو توسل حضرت بابا فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے خاندان نے بھی دیگر پرانے نجیب الطرفین خاندانوں کی طرح اپنا شجرہ نسب ہمیشہ قائم و محفوظ رکھا ہے اور اب تک یہ اسپرٹ قائم ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے علم تاریخ کا وہ حصہ جہاں سے وہ حوالہ مطبع ہونا شروع ہوا ہے فی الحقیقت مختلف دماغوں کے جمع کردہ قلمی تذکرات کی دوسری صورت ہے لیکن میں ہر واقعہ کی جو ان تذکروں میں درج ہے مستند مطبوعہ تواریخ سے تصحیح و تصدیق کر لینا ضروری سمجھتا تھا

اول تو مجھے وہ تمام کتابیں جن سے حوالے لئے جاتے اور
 حالات و واقعات معلوم ہوتے دستیاب نہوسکیں اور پھر
 تمام واقعات کو مختلف تواریخ سے جمع کرنا ایک کام تھا جسکی
 مجھے دنیوی تفکرات اور مشاغل زندگی اجازت نہ دیتے تھے
 بہر حال پھر بھی میں کوشش میں سرگرم رہا مایوسی کوشش نے
 پورے دس سال تک میرے خیال کو صورت و جود می اختیار
 نہ کرنے دی میں مایوس ہو جاتا تھا مگر ہمت نہ ہارتا تھا میرا
 جذب صادق ہمیشہ میری مایوسی پر غالب اور یہی خیال ہمیشہ
 میرے دماغ میں چکر لگاتا رہا اور آخر پھر مردہ کو یاد اسلاف کا
 وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی تیز جھونکا شرافشاں کرتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ
 میں نے یہ دیکھ کر کہ میرے عزیز ترین عزیزوں میں جب بفضلہ
 ایک ایسا شخص موجود ہے جس کی قابلیت انشاء پر وازی ادبی
 دنیا میں سکھ بٹھا چکی ہے اور جس کے زور قلم کو اردو داں پہلک
 تسلیم کر چکی ہے کیوں نہ یہ کام اُس کے سپرد کر دوں اور کیوں
 نہ اسکی تکمیل کا اُسے ذمہ دار ٹھہرا دوں چنانچہ برا درم عزیز
 سلطان حیدر جوش سے جن کی ذات پر مجھے بجا طور سے
 فخر ہے میں نے ذکر کیا اور یہ کام انہیں کی سپرد کر دیا۔

طبیعت جدت پسند کو اشارہ کی ضرورت تھی فوراً آمادگی ظاہر کی اور اس کو شش میں سرگرم ہو گئے۔ کتب تواریخ کے جمع کرنے میں جن مشکلات کا سامنا ہوا اس کا اندازہ وہی حضرات خوب کر سکتے ہیں جو خود مورخ ہیں یا جن کو اس قسم کی تحقیقات کا کبھی خیال پیدا ہو چکا ہو خدا خدا کر کے چند کتب تواریخ مہیا ہو سکیں اور برادر موصوف سال بھر تک جس جانفشانی و پریشانی سے ورق گردانی کر کر اس کتاب کو یا میرے خیال و تمنا کو جامہ وجود میں لائے ہیں وہ داد و شکریہ کی محتاج نہیں کتابیں زیادہ تر ہمیں دہلی پبلک لائبریری سے ملی ہیں میرے عم مکرم حضرت حکیم احمد جان صاحب مرحوم رئیس شیخوپورے نہایت تحقیق و وقت نظری کے ساتھ خاندانی حالات کے متعلق ایک جامع اور مبسوط کتاب لکھی تھی جس کو ان کی وفات پر ایک بزرگ خاندان نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے افسوس ہو کہ باوجود کوشش و طلب کے وہ کتاب ہمیں دیکھنے کو نہ مل سکی ورنہ بہت کچھ مفید اضافہ نواب فرید کی سوانح عمری لکھنے میں ہو جاتا تاہم بت سے فراخ دل اصحاب نے کسی قسم کی مدد دینے میں کوتاہی نہیں کی سب سے پہلے سید محفوظ علی صاحب بی اے علیگ ریٹس بدایوں ہیں جنہوں نے اکثر کتب تواریخ کے نام بتا کر ہماری

رہبری کی پھر خان بہادر مولوی رصنی الدین صاحب
 مؤلف کنز التاریخ جنہوں نے اپنے کتب خانہ سے مائثر الائمہ
 اور عالمگیر نامہ چند دنوں کے لئے مستعار دیدیا میں ہر واضح
 کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ برادر م شیخ محمد صادق اور
 شیخ احمد حسین اور اقبال غنی صاحبان کی عنایت کا اعتراف
 کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جن کی بدولت بیش بہا فرامین
 اور جواہر فریدی مل سکے۔ شیخ طیب محمد اور منظور حسین صاحب
 نے اس کوشش میں جس دلچسپی کے ساتھ اپنا وقت
 دیا اور چند شبانہ روز کتب تواریح کے نوٹ لینے میں
 ہمارے ساتھ محنت کی اُس کا خاص اثر میرے دل پہ ہر
 بزرگ و افسر خاندان عالیجناب خان بہادر شیخ محمد عبدالغفار
 صاحب مجسٹریٹ و چیئرمین میونسپلٹی بدایوں اور میرے
 برادران حقیقی اور قوت بازو مسٹر وحید احمد اور مولوی محمد اجماع
 صاحبان نے اس کتاب کی تکمیل میں جو دلچسپی لی اور
 وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے مدد کی اُس کا شکریہ
 نہ ادا کرنا بھی بیجا ہے۔ اس فرض سے سبکدوش ہو کر اب
 مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ”نواب فرید“ کی تالیف

میں جن کتابوں سے واقعات اخذ کئے گئے ہیں ان کی
فہرست ویدینا مناسب ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ سند
کس وقت اور پایہ کی ہے میرے خیال میں اس سے
بڑھکر معتبر حالات و واقعات کا ملنا کم از کم موجودہ دسترس سے
باہر ہے۔

نمبر ۱۔ قلمی تاریخ خاندانی۔

نمبر ۲۔ تزک جہانگیری۔

نمبر ۳۔ اکبر نامہ ابوالفضل۔

نمبر ۴۔ جہانگیر نامہ

نمبر ۵۔ بادشاہ نامہ مؤلفہ ملا عبد الحمید لاہوری۔

نمبر ۶۔ عالمگیر نامہ۔

نمبر ۷۔ منتخب اللباب خافی خاں۔

نمبر ۸۔ مائثر الامار تیموری مصنفہ مصمما الدولہ۔

نمبر ۹۔ خطبات احمدیہ مصنفہ سر سید احمد خاں

نمبر ۱۰۔ Wheeler's History of India

نمبر ۱۱۔ Description & Historical accounts

of N.W.P. Vol 5 by G. T. Atkinson & Co. &
Longmans & Co. S

Settlement Report of 1873 نمبر ۱۲ -

District Gazetteer Vol 15 Budawn نمبر ۱۳
H. R. Nevill & Co. Ld. P. G. S.

بہر حال اس مہتد کے ساتھ یہ اور ان "نواب فرید" کے نام سے ملک اور قوم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جن کو شیخ فرید نواب اخلاص خاں و اختشام خاں کی سوانح عمری کہا جاسکتا ہے حقیقت میں دربار سلطان تیموریہ کا ایک فلم انداز و شکستہ باب ہے زمانے کی دستبرد اور ناموافقیت نے پیشمار متنازع و قابل تذکرہ حضرات کے کارنامے ایسے تلف کر دیے ہیں کہ ان حضرات کا نام نامی بھی پردہ گنہامی میں روپوش ہو گیا ہو۔ اس ناقدر شناسی کی ذمہ دار ہماری مردہ قوم کی بد مذاتی ہو یا اور کچھ اس میں شک نہیں کہ موجودہ لیل و نہار میں جس ممتاز فرد قوم کو قعر گنہامی میں ڈوبنے سے بچا لیا جاوے اور جو کچھ بھی اُس کے کارناموں سے ہم پہنچ سکے حوالہ فلم کر دیا جاوے تو ایک قابل قدر اضافہ ہو گا چنانچہ اس کوشش کے ساتھ ساتھ نہایت خوشی کی بات ہے کہ برادر عزیز محمد سلطان

صاحب جویش نے اپنی جدت طرازی کو قائم رکھ کر تاریخ کی خشکی کو پُر لطف و چسپی میں تبدیل کر دیا ہے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ یہ اپنی قسم کی پہلی سوانح عمری ہے جو اس خاص رنگ میں لکھی گئی ہے۔ داستانِ پاستان کے طرح طرح سے دہرائے گئے اگر قوم میں وہ جو ہر سپدا کر دیا جس نے اسلاف ممتاز کو آجتاک زندہ رکھا ہے تو گویا مردہ صد سالہ از سر نو رحمت صورت آفریں سے زندہ ہو گیا یا یہ مختصر محنت کم از کم نواب فرید کی موجودہ اولاد کو عزت حقیقی اور عزت نمائشی کا فروق سمجھانے اور دلنشیں کرنے میں کسی حد تک بھی کار آمد ثابت ہوئی تو میں سمجھ لوں گا کہ ناچیز کو شمش ایک چیز ہو گئی ورنہ اللہ باقی من کل فانی۔

خاکسار

سید محمد ہوش

شیخوپورہ۔ بدایوں

۲۶ اکتوبر ۱۹۱۶ء

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

نامِ نامی نہ تو کسی شہرت و تعارف کا محتاج ؛ اور نیزہ نایبِ محنت
اس زندہ جاوید نام سے منسوب کئے جانے کے قابل ؛
مگر

دلِ عقیدت کیش و سعادت مند مجبور کرتا ہے کہ ان اوراقِ پریشا
کو اُسی پیشواؒ کی روحانی کے سامنے بھدا دے پیش کر دوں !
شاید کہ بقائے دوام کا راز اسی میں مضمر ہو !
”جو شس“

4

I

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

آباؤ اجداد

بس نامور بزرگزمین دفن کردہ اند
کرہستیش بروئے زمین کی نشان ماند!!

حضرت فاروق اعظم کی مجمع کمالات ذات نے، اپنے زمانہ
خلافت کے طرز عمل سے، مسلمانوں میں توحید پرستی اور اعتدال
وحدانیت کی ایسی روح پھونک دی تھی کہ ٹٹھی بھر نفوس ہر
دار اسے، قیصر و کسریٰ سے، کسی گردن کش حکمراں سے مرعوب
نہیں ہوتے تھے؛ اور تمام دنیا کی مخالفت یا مشرق سے مغرب
کا سفر، انہیں اعلانِ کلمہ حق سے نہیں روک سکتا تھا! مسلمان
ایک طاقت تھے، بے نظیر: ایک آندھی تھے، عالمگیر! وحدانیت
کی بجلی۔ ان عرب فداویان اسلام کی تلواروں سے۔ کبھی مصر
میں چمکتی تھی تو کبھی اسپین میں: کبھی روم میں گرتی تھی تو کبھی فارس
میں! رحمت حق کا بادل۔ عرب تارکانِ وطن کی صورت میں۔

افریقہ، یورپ، ایشیا، اور دنیا کے قدیم کی ہر سربراہ اور وہ سلطنت
 پر صدیوں چھایا رہا! عرب جیسے بنجر و جاہل ملک سے علوم و فنون
 کے ایسے دریابہ گئے جو ایک طرف تو افریقہ شمالی و اُندلس کو
 سیراب کر گئے اور ایک طرف چین و تاتار، ہندوستان و
 ایران، قریب قریب کل ایشیا کو سرسبز بنا گئے!

فتوحات اسلام کے تیز رفتار دریاب، منہج عرب سے مختلف
 اوقات میں نکلے، مختلف سمتوں میں بہے، خاص مدت تک
 کسی حصہ زمین کو سیراب کرتے رہے، اور حادثات زمانہ سے
 پامال ہو کر یا تو معدوم ہو گئے یا حکومت کی فوقیت سے محروم
 ہو کر اُس ملک کے تمدن و معاشرت میں غرق ہو گئے! تارکانِ
 وطن عزیز کی مختلف موجوں میں سے خود فاروق اعظم کی اولاد
 حتیٰ جو کئی پشتوں تک سرفروشانِ توحید کی رنگ میں انقلاب
 کلمہ حق کی خدمت سرتیلی پر لئے کرتی رہی اور مدینہ منورہ کی
 گز بھر زمین خواب راحت کے لئے پانی رہی: مگر انقلاب کے
 ساتھ یہ وحدانیت پرست اولادِ فاروق عرب کو الوداع الہکمر
 رومۃ الصخرے۔ اور کئی پشتیں وہاں بھی نقش قدم کی طرح

چھوڑ کر کابل پہنچی! کہیں تجارت کا اہل حلال کفیل و معاون
 رہا اور کہیں سلطنتِ خود مختار کی فارغ البالی مقصدِ عظیم کے
 حصول میں سیدھے ہاتھ کا کام دیتی رہی! جب چنگیز خاں کی
 خون آشام تلوار نے غزنی و کابل کو پامال کیا تو اولادِ فاروق
 کے چند نفوس بتلائے سرگردانی ہو کر کابل سے ہمیشہ کے لئے
 رخصت ہوئے اور ہندوستان پہنچے! قاضی قصور کی مہمان نوازی
 نے اس خانماں برباد بے قصور جماعت کو بٹھرایا اور شاہ وقت
 تک پہنچایا! اسی جماعت میں شیخ جمال الدین سلیمان - ابن شیخ
 شعیب - بھی تھے جو ملتان کے قریب قصبہ کوٹھوال - یا کوٹھوا -
 میں سکونت پذیر ہوئے: مولانا وحید الدین خجندی کی صاحبزادی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶) جنہوں نے مدینہ منورہ سے رومناہ الصغریٰ کو - عہد خلافت عباسیہ میں نقل
 مکان کیا!

نمبر ۴ - شیخ احمد - معروف برفخ شاہ کابل - روم سے بغرض تجارت کابل آکر وہاں کی حالت کا اندازہ
 کر گئے تھے - اسی وجہ سے وہیں پوری جمعیت سے کابل پر لشکر کشی کی اور تاریخ بتاتی ہو کہ فتح کر کے سلطنتِ کابل
 کی باگ ہاتھ میں لی!

نمبر ۵ - شیخ شعیب بن شیخ احمد - چنگیز خانی انقلاب کی بدولت ہندوستان آئے اور اس طرح آئے
 کہ ان کے والد شیخ احمد چنگیز خاں کے مقابلہ میں شہید ہوئے اور یہ معہ اپنے تین بچوں کے کابل کو چھوڑ کر
 نواحِ ملتان میں پہنچے! قاضی قصور نے ان کی مہمانداری میں نہایت تواضع سے کام لیا اور شاہ وقت تک انکی ساری
 کراہی شعیب کو تھہر کوٹھوال (یا - کوٹھوال) متصل ملتان - کا قاضی مقرر کر دیا!

سے شادی کی اور زہد و تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے!
 اس مفلس و گناہ گھر میں وہ شخص پیدا ہوا جو ہندوستان کے
 افقِ تصوف پر ماہِ کامل بننے والا تھا اور شیخ فرید الدین گنجشکر کے
 نام نامی سے ہمیشہ زندہ رہنے والا تھا!

بابا گنجشکر کی ذاتِ بابرکات سے ایک طرف تو تصوف - بصورت

بزرگ شیخ فرید الدین گنجشکر - المعروف بابا صاحب - کا شجرہ نسب تقریباً ۲۰ واسطوں سے حضرت
 عرفارِ وق اعظم سے ملتا ہے۔ آپ کے شجرہ کی نقل مستند قلمی تواریخ میں جو خاندان شیخ پور کے
 قبضہ میں ہیں مختصر آئیے: شیخ فرید الدین گنجشکر - ابن - شیخ جمال الدین سلیمان - ابن -
 شیخ شعیب - ابن - شیخ احمد - ابن - شیخ یوسف - ابن - شیخ محمد - ابن - شیخ شہاب الدین
 ابن - شیخ احمد مشہور بہ فرخ شاہ کابلی - ابن - شیخ نصیر - ابن - شیخ محمد معروف بہ منشاہ -
 ابن - شیخ سامان یا سلیمان - ابن - شیخ مسعود معروف بہ سلطان - ابن - شیخ عبداللہ -
 ابن - شیخ واعظ الاصغر - ابن - شیخ واعظ الاکبر - ابن - شیخ ابوالفتح کالج - ابن - شیخ اسحق -
 ابن - شیخ ابراہیم - ابن - خواجہ ناصر - ابن - عبداللہ - ابن - حضرت عرفارِ وق رضی اللہ تعالیٰ
 قلمی نسخوں میں شجرہ نسب بہ حذف و اسقاط ابوالبشر حضرت آدم تک پہنچا یا ہے؛ مگر میرے
 خیال میں ان کا اعادہ فضول ہے: حضرت عرفارِ وق کا شجرہ نسب ۸ پشتوں کے
 بعد کعب بن لوی پر ختم المرسلین آنحضرت صلعہ کے شجرہ نسب سے ملتا ہے اور اس
 کے بعد آنحضرت کا شجرہ ہی عرفارِ وق کا شجرہ سمجھا جائیگا! کعب تک ۸ پشتیں حسب
 ذیل ہیں: - عمر - ابن - خطاب - ابن - نفیل - ابن - عبدالعزیز - ابن - رباح - ابن -
 عبداللہ - ابن - قرط - ابن - زراح - ابن - عدی - ابن - کعب بن لوی! کعب
 کا شجرہ ۶ پشتوں پر حضرات ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے (یعنی غزوہٴ ینبہہ پر ملاحظہ ہو)

تعلیمِ پشتیہ - نظامیہ و صابریہ کی دوزندہ جاوید شیریں چشموں
 میں جاری ہوا اور دوسری طرف ان کی اولاد کیشلک کے
 چاروں گوشوں میں پھیل گئی: غالباً اسی لحاظ سے ان کا نام
 جواہر فریدی میں آدم ثانی نظر آتا ہے! ان کی اولاد قصیدہ جوہن
 میں - جو ان کے قدمِ مینت لزوم کے بدولت پاک پٹن بن گیا -
 کئی لہنتوں تک مصروفِ مجاہداتِ نفس و اشاعتِ کلمہ توحید
 رہی! اشاعتِ کلمہ حق ایک ایسا مشن تھا جس کے لئے اکثر اوقات
 بھجوری - زبان کے بجائے زبانِ تیغ سے کام لینا پڑا! اکثر
 اوقات شوقِ سرفروشی نے شرکتِ جہاد کے ذوق میں کسی لشکر
 کشی میں حصہ لینے پر مجبور کر دیا! بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی ایک
 بیوی ہربرہ خاتون و خیر غیاث الدین بلبن بھی تھیں جن سے
 بابا صاحب کی شادی بلبن کی ولیعہدی کے زمانہ میں ہوئی تھی -
 اور اس طرح ان کی اولاد کو ضرورت کے وقت دربارِ رسی اور شرکت
 جنگ کے ذرائع مل سکتے تھے! پاک پٹن، داؤدانہ، اور بھنڈالی

(قبیلہ نوٹ صفحہ ۸) جس کو سر سید احمد خاں مرحوم نے اپنی مشہور تصنیف خطباتِ احمدیہ میں
 بشرح و بسط درج کیا ہے اور اس کے صحیح ترین ہونے کے استدلال پیش کئے ہیں! (جوش)

کی سرزمین اُن پاک نفوس کی آرام گاہ ہے جو اس مشن کو مقصدِ حیات بنائے رہے !

بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی اولاد کی ایک شاخ پنجاب سے کوچ کر کے ہندوستان کے قلب میں پہنچی اور ان میں شیخ سلیم فچپوری کی ذات والاعفات کا ظہور ہوا جو سیکری کے پہاڑوں میں ایسی ضیائے نظر فریب کے ساتھ چمکی کہ جلال الدین اکبر جیسا آزاد مذہب بادشاہ عقیدت و اطاعت کے رنگ میں کشاں کشاں کھنچا چلا آیا ! اولادِ بابا صاحب کے جس گروہ کے اخترِ منور حضرت سلیم چشتی فچپوری تھے اُسی کے چند نفوس ظہیر الدین بابر شاہ غازی کی مظفر و منصور فوج میں شامل رہ کر روہیلکھنڈ کی سرزمین میں فاتحانہ قدم رکھ چکے تھے اور دربارِ مغلیہ سے سرکارِ بدایوں میں معافی و زمین حاصل کر چکے تھے ! گویا اولادِ بابا صاحب کی ایک شاخ تقرب دربار کی عزت ۲۶ شہ ۶۷ سے

نمبر ۵ شیخ پر کے شیخ زادوں کے اسلاف کا بابر کی فوج حملہ آور کے ساتھ ۱۵۲۶ء میں روہیلکھنڈ میں فاتحانہ طور پر آنا اور ضلع بدایوں میں معافیات و محالات پانا گزیٹ سے ثابت ہو ! ملاحظہ ہو

Descriptive and Historical account of the N.W.P. of India
مولفہ ایچ سی کانی بیر آئی سی ایس اور ایڈرین ٹی امیکسن کی (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

پیشتر حاصل کر چکی اور سلاطین مغلیہ کی نگاہ میں اپنا وقتاوت ایم
کر چکی تھی!

یہ فائجن روپل کھنڈ بابر کے ساتھ آئے، ہمایوں کے متزلزل زمانہ میں اپنے گھر میں بابر کے عطیات سے بہرہ اندوز خاموشی کے عالم میں وقت کے منتظر رہے، اور اکبر عرش آشیانی کی روزافروز سلطنت میں تخت و تاج کی خدمت کے لئے۔ اپنے قدیمی شعارِ سرفروشی میں۔ محو محنت و جانفشانی بن گئے! اسی گروہ میں نواب قطب الدین خاں گورنر بنگالہ کے گھر میں اُس امیر نامی کی پیدایش ہوئی جس کا نام فرید اور لغتِ نواب فرید الدین اخلاص خاں احتشام خاں تھا، اور جس کی سوانح عمری ان اوراق میں پیش کشِ ناظرین کرنی مقصود ہے!

البقیہ (نٹ صفحہ ۱۰) جلد ۵ متعلق قسمت روپیل کھٹہ صفحہ ۴۷ و ۴۸ اینٹرٹینمنٹ رپورٹ ۲۷ اے ڈسٹرکٹ گزٹیر بایوں کی جلد ۵ اکا صفحہ ۷۷ و ۷۸ !

اولاد بابا صاحب علیہ الرحمۃ پنجاب میں خلیجیوں اور تغلقوں کے زمانہ میں، مختلف مقامات میں، پھیلی ہوئی اور اشاعت اسلام تصوف میں سرگرم رہی! اکبر عرش آشیانی، آزاد منش سی، لیکن اہل کمال کا سرپرست اور ہنر و علم کا قدردان تھا: بڑے بڑے حکماء، علماء، امراء، سردارانِ سرفروش، منجم، ہندس اور ہر قسم کے باکمال اشخاص اس فیض کے چشمہ شیریں کے گرد مرغ و مور کی طرح جمع ہو گئے تھے! یہ فریدی گروہ بھی پنجاب سے نقل مکان کر کے دار الخلافہ کے قریب محو خدمت شاہی بنا رہا! بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ فرید تاج قریب قریب ساڑھے پینسویس برس کا زمانہ ۱۲ پشتوں کی صورت میں گزر جس کی مختصر و مجمل تاریخ طوالت کو نظر انداز کر کے۔

درج کردینی بر محل معلوم ہوتی ہے!

بابا صاحبؒ نے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں۔ اپنی اولاد۔ چھوڑیں! شیخ شہاب الدین گنج علم، شیخ بدر العال

۶۹۔ بابا صاحب کا زمانہ وفات ۵ محرم ۸۱۵ھ آئین اکبری سے ثابت ہوتا ہے اور شیخ فرید کی پیدائش ۸۱۵ھ میں ہوئی۔ نسخائے قلمی تواریخ میں۔ درج ہے: گویا ۴۴۰ برس کا فصل نظر آتا ہے!

بدر الدین سلیمان، شیخ نظام الدین شہید، شیخ یعقوب اور
 شیخ عبداللہ ان صاحبزادوں کے اسمائے گرامی ہیں جن
 کی اولاد - بقول صاحب جو اہر فریدی - بنگالہ، بہار، پھلواری،
 فتحپور، بیکری، بدایوں، امر دہہ، ہوبہ، گجرات، الہ آباد اور
 اکثر چھوٹے چھوٹے مقامات میں پھیل گئی!

شیخ بدر الدین سلیمان - اپنے زمانہ کے مشہور صوفیائے کرام
 میں سے تھے اور محو تصوف رہے!
 پاک ٹپن میں آپ کا مزار شریف
 ہے! دو بیویوں سے چھ لڑکے
 اور چار لڑکیاں چھوٹی ہیں! پہلی بیوی ملک العلام
 قاضی ابوسلم کی صاحبزادی تھیں جن
 کے بطن سے چار لڑکیاں اور چار
 لڑکے بہ اسمائے شیخ علار الدین موج
 دریا - شیخ محمد شہید - شیخ محمود اور شیخ تاج الدین
 ہوئے! زوجہ ثانی سے شیخ مودود و شیخ
 احمد باقی رہے!

شیخ محمود بن شیخ بدر الدین سلیمان - بھی اپنے زمانہ کے اکابر مشائخ میں
 سے تھے۔ پچانوے سال کی عمر میں
 دوا لڑ کے - شیخ داؤد اور شیخ نصر اللہ
 اور ایک لڑکی چھوڑی : پاک پٹن
 میں بزرگوں کے زیر سایہ آرام کرتے
 ہیں !

شیخ داؤد ابن شیخ محمود -

مجاہدہ نفس کے علاوہ اشاعتِ اسلام
 میں بھی عملی طور پر سرگرم رہے : مخالفین
 بت پرست کو احکامِ مشن ناگوار گذرا -
 راجہ مخالف سے تلوار چلنے کی تو
 آگئی - راجہ کا قتل و فنا کا اختتام ہوا -
 قصبہ داؤدانہ ان کا آباد کیا ہوا ہے
 جو اب تک اُس نام کی یاد کو تازہ کرتا
 ہے - سکروہ میں جو کابل کے راستہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳) اولاد میں ہیں اور اس طرح شجرہ بیان کیا جاسکتا ہے :- حضرت سلیم چشتی
 ابن شیخ بہار الدین - ابن شیخ بدر الدین عرف متھ - ابن شیخ سلیمان - ابن شیخ آدم - ابن
 شیخ معروف - ابن شیخ موسیٰ - ابن شیخ مودود !

میں واقع ہے محو خواب استراحت
ہیں! آپ نے دُور لڑکے شیخ
رفیع الدین اور شیخ بہار الدین
چھوڑے!

شیخ رفیع الدین المعروف بہ خواجہ ابن شیخ داؤد ریاضت و فقر میں
بے ہمتا تھے۔ حلقہ بیعت بہت
وسیع تھا۔ مخدوم زین العابدین اور
شیخ بایزید دو صاحبزادوں کو
چھوڑ کر پاک پٹن میں مرقہ مبارک
میں جاسوئے!

مخدوم شیخ زین العابدین۔ عام طور پر محض شیخ زین کے نام سے
مشہور ہیں! تصوف کے لحاظ سے
صاحب نسبت شخص تھے! علوم
ظاہری و باطنی کی تکمیل پہلی ہوتے
ہوئے حمیدین شریفین فریضہ حج
ادا کرنے تشریف لے گئے اور واپس
آکر حسب بشارت قضیہ بھنڈالی

میں جو سرمنہ سے چند کوس کے فاصلہ
 پر ہے سکونت پذیر ہوئے! آپ
 کی شادی بی بی سلطان خاتون دختر
 شیخ بہار الدین بن شیخ داؤد سے
 ہوئی اور ان کے بطن سے پانچ صاحبزادے
 شیخ جہان شاہ، شیخ سلطان شاہ،
 شیخ بہان الدین، شیخ معزالدین
 اور شیخ تاج الدین - تولد ہوئے!

بھنڈالی میں آپ کا مشہور مزار ہے!
 مرد خدا پرست اور نیک نفس تھے:
 صرف دو صاحبزادے شیخ سعد اللہ
 و شیخ فرید - مشہور بہ فرید سو برس -

چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھا گئے،
 اور بھنڈالی میں آرام فرماتے ہیں!
 ان کے زمانہ میں نواب عماد الملک
 جو بابا صاحب کے حقیقی بھائی شیخ
 نجیب الدین متوکل کی اولاد میں سے

شیخ سلطان شاہ -

شیخ سعد اللہ -

۷۱
 تھے سرکارِ سنبھل اور باولی کے جاگیردار تھے!
 نواب عماد الملک نے اپنی دونوں لڑکیوں
 کی شادی شیخ سعد اللہ اور شیخ فرید سونبرس
 دونوں بھائیوں سے کر دی! شیخ سعد اللہ
 اور شیخ فرید سونبرس ہی وہ حضرات تھے جو
 بابر کی مظفر و منصور افواج میں سرگرم پیکار تھے
 بدایوں میں فاتحانہ داخل ہوئے اور
 کے حملہ بابر میں اظہار بہادری کے
 عیوض میں ضلع بدایوں میں معافیات
 پا کر اسی جگہ سکونت پذیر ہو گئے!
 شیخ سعد اللہ کا نام ان کے دو صاحبزادوں
 شیخ خوند میاں اور شیخ محمد سے چلا! آپ
 بدایوں میں گورتان چشتیہ میں مدفون ہیں!
 شیخ خوند میاں بن شیخ سعد اللہ مرد نیک نفس تھے، دوا کے

بمزمہ - نواب عماد الملک کا شجرہ جو اہر فریدی میں اس طرح درج ہے :- عماد الملک بن شیخ سیف اللہ
 بن شیخ کریم الدین بن شیخ عیسیٰ بن داؤد بن شیخ صراح بن شیخ نعیر الدین بن شیخ شہاب بن
 شیخ احمد بن شیخ محمد حاجی چشتی عم زادہ حضرت گنجشکر قدس سرہ!

شیخ ابراہیم اور شیخ فضیل چھوڑ کر عالم
جاودانی کی راہ لی۔ گورستان چشتیہ
میں مدفون ہیں!

شیخ ابراہیم -

تلقینِ تصوف میں عمر بسر کی، مروجہ
آگاہ تھے! صرف ایک لڑکے شیخ حسین
حافظ سے آپ کا نام چلتا ہے! گورستان
چشتیہ میں دفن ہیں!

شیخ حسین حافظ -

حافظِ قرآن، نیک نفس اور پاک
طینت شخص تھے! شیخ سلطان -
فرید سونہرس کی اولاد۔ ان کے معاصر
تھے اور تلقینِ تصوف، دونوں کا شعا
تھا! حضرت سلیم چشتی فخر پور سیکری
میں اولادِ بابا صاحب میں اسی زمانہ
میں بے مثل صوفی اور اپنے وقت
کے عالی مرتبہ صاحبِ نسبت تھے!
شیخ حسین حافظ اور شیخ سلطان،
حضرت سلیم کی خدمت میں اس تصفیہ

کے لئے حاضر ہوئے کہ دونوں میں
سے کون تلقین تصوف کرے اور

کون خاموش رہے! حضرت سلیم
حشتی نے اپنی چشم حقیقت میں سے
دونوں کے قلوب کا اندازہ کیا اور
شیخ حسین حافظ کو اس کا اہل پاکر
اُن ہی کو اجازت عطا فرمائی! شیخ
حسین حافظ نے بطور اولاد کے
میتن لڑکے۔ شیخ اعظم، شیخ معظم، اور
شیخ یسین چھوڑے! بدایوں میں
انھوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور
اسی کے سامنے مزار شریف ہی!

شیخ اعظم۔

الّا و منونہ۔ دو دیہات۔ آٹولہ کے
قرب آپ کو سلطنت مغلیہ سے جاگیر
کے طور پر ملے ہوئے تھے! غالباً یہ
دیہات اُن ہی معافیات میں سے
تھے جو بابر کے زمانہ میں ان کے

۲۰
 سورٹوں کو عطا ہوئی تھیں! آپ کی
 صفائی قلب اور راست بازی سے
 خوش ہو کر حضرت سلیم چشتی رحمہ اللہ نے
 اپنی صاحبزادی بی بی خدیجہ کی شادی
 آپ سے کر دی تھی! آپ کی جاگیر
 میں ٹھاکروں نے فساد کیا اور آپ
 اُن سے لڑ کر شہید ہو گئے! قلعہ
 بدایوں کے متصل۔ جانب غرب۔
 آپ کا مزار ہے جس پر سنگین چھتری
 تعمیر تھی۔ اسی عمارت میں آپ کا
 شجرہ نسب بابا فرید گنجشکر تک کندہ
 ہے جو زمانہ کی دست برد کے باوجود
 اب بھی بہت کچھ باقی ہے! آپ
 کی اولاد میں صرف شیخ قطب الدین
 تھے!

شیخ قطب الدین - آپ شیخ خوبو، خوبن، اور شیخ جیون
 کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ آپ کا

۲۱
مفصل حال آئندہ درج کیا جائیگا۔
آپ کی شادی شیخ منعم کی صاحبزادی
سے ہوئی جن کے بطن سے شیخ
ابراہیم، شیخ فتح الدین، اور شیخ فرید
وجود میں آئے! یہ ہی شیخ فرید گے
چلکر اخلاص خاں اور بعد میں نواب
احتشام خاں بن گئے!

شیخ فرید کا سلسلہ نسب ۱۲ واسطے سے بابا گنجشکر قدس سرہ مات
اور ۳۲ واسطے سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تک پہنچتا ہے! ان ۳۲ پشتوں کی زندگی کا شمار اشاعت
وحدانیت - خواہ بصورت تعلیم تصوف، اور خواہ بصورت جماد
رہا! مدینہ سے رومۃ الصغریٰ - رومۃ الصغریٰ سے کابل -
کابل سے نواح ملتان - ملتان سے بھنڈالی - اور بھنڈالی سے
بدایوں: گویا مدینہ منورہ سے بدایوں تک پہنچنے میں پانچ مرتبہ
نقل وطن کرنی پڑی! اس تمام مدت دراز میں جذبہ توحید پرستی
اس اولادِ فاروق و فرید سے کبھی نہیں چھوٹا! سرفروشی کی چاشنی
بدایوں میں تھک کر بیٹھنے کے بعد بھی کئی پشتوں تک جھلک

مارتی سہی، لیکن بالآخر اس پستی نے تلوار کو چاقو سے اور
نیزہ کو قلم سے تبدیل کر کر چھوڑا اور رفتہ رفتہ اس سرے سے
اُس سرے پر لیجا کر لانا!

وہ دین جازی کا بیابک بیڑا * نشاں جس کا قصاے عالم میں نہنچا
مراحم ہوا کوئی خطرہ نہ جس کا * نہ عمال میں ٹھکانہ قلم میں جھچکا
کئے پے سپر جس نے مالتوں سمندر!
وہ ڈوبا دھانے میں گنگا کے آکر!!



پیدائش کا گھر اور زمانہ

مستع رمز نم مہا پید

نکتمہا ہست در فسانہ ما

بابر کی مظفر و منصور فوج نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے عظیم الشان
معرکہ کے بعد خود سرامرا کو خانوہ متصل فتحپور سیکری شکست
فاش دی تو سرکار بدایوں پر بھی فتحمند فوج کا تسلط ہو گیا! بابر کے
جاں نثار معافیات و جاگیروں سے سرفراز کئے گئے اور اسی زمانہ
میں شیخ فرید کے مورث بھی بہادری و سرفروشی کے معاوضہ میں
جاگیر پاکر بدایوں میں سکونت پذیر ہو گئے! بابر کے بعد ہمایوں
کے اول دس سال میں بدایوں میں کوئی انقلاب عظیم نہیں ہوا
البتہ ہمایوں کے شیر شاہ سے شکست کھا کر لاہور کی طرف بھاگنے

District Gazetteers of the United Provinces

Vol. XV. Budawn. By H. R. Nevill I.C.S., R.R. 9, S. etc

نمبر ۱۲

کے بعد اس کی دوبارہ واپسی اور تسلط تک مختلف سردار عامل
 سنبھل یا بدایوں رہے اور شیخ فرید کے مورث اس عرصہ میں۔
 پٹھان بادشاہوں کا ساتھ نہ دیکر۔ علیحدہ اور خاموش رہے !
 ہمایوں کے دوبارہ تسلط پر قنبر دیوانہ گورنر بدایوں تھا جس کا
 خاتمہ۔ ایک سخت مقابلہ کے بعد۔ علی قلی خاں گورنر سنبھل کے ہاتھ
 سے ہوا ! اکبر کی سلطنت کے آغاز میں تھوڑے عرصہ کے لئے
 قاسم علی خاں بقال گورنر بدایوں مقرر ہوا، مگر بعد میں مشہور شیخ
 سلیم فتحپوری کے نواسے شیخ قطب الدین چشتی گورنر بدایوں بنائے
 گئے، جو شیخ فرید کے والد تھے !

عرش آشیانی محمد جلال الدین اکبر کی اولاد زریہ زندہ نہ رہتی تھی اور
 عرصہ تک اکبر کا محل بے چراغ تھا ! حضرت سلیم چشتی قدس سرہ
 کی خدا آگاہی اور نسبت باطنی ہندوستان میں دور دور مشہور
 تھی ! اکبر اپنی اسی استدعا کو لئے ہوئے دلی عقیدت مندی کے
 ساتھ حضرت سلیم چشتی کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس عقائد
 نے اس درجہ اس کے دل میں جگہ کی کہ اکبر کی منظور نظر رانی۔
 جو شیخ الاسلام حضرت سلیم چشتی کی دعا سے حاملہ ہو گئی تھی سیکڑی میں

حضرت موصوف کے زیر سایہ بھیج دی گئی اور عرصہ دراز تک وہیں رہی! اسی مدت میں فتح پور دارالنور اور دارالسرور بن گیا اور ۱۹۶۶ء میں اکبر کے ہاں فرزند ارجمند تولد ہوا! اس شاہزادے کا نام بھی اُسی عقیدت مندی کے اظہار میں اکبر نے سنا ہزارہ نور الدین سلیم رکھا اور خود حضرت شیخ موصوف نے پیار سے ”شیخو بابا“ کہہ پکارنا شروع کیا!

اکبر کو جو عقیدت حضرت سلیم چشتی سے تھی وہی اس کا باعث ہوئی کہ اولاد بابا صاحب کے وہ افراد جو ترک دنیا پر خدمت سلطنت کو ترجیح دیتے تھے مغررہ عہدوں پر مقرر ہوئے؛ شیخ اعظم کے لڑکے شیخ قطب الدین جو حضرت سلیم چشتی کے نواسے بھی تھے۔ اسی زمانہ میں، نظامتِ سرکار بدایوں پر متعین ہوئے!

شاہزادہ سلیم کی پیدائش پر غالباً اکبر کے اصرارِ عقیدت آمیز کی وجہ سے۔ حضرت سلیم چشتی نے قریب قریب اپنی کل صاحبزادی بیوی اور بہو کا دودھ، تبرکاً و تمیناً سلیم کو پلوا دیا! سلیم نے حضرت سلیم چشتی کے زیر سایہ ہاتھ پاؤں نکالے اور حضرت موصوف

کی صاحبزادی قطب الدین خاں کی مادر مہربان - کو اپنی ماں کے برابر چاہنے لگا! اسی واقعہ نے شیخ قطب الدین خاں خوبو کو کوکلتاش کا لقب دلوا دیا! قطب الدین خاں بدایوں کے ناظم سلیم کی پیدائش سے پہلے - یا پیدائش کے وقت - ہو چکے تھے کیونکہ ۱۷۷۶ء میں بدایوں کی آتشزدگی کا سانحہ جگر خراش ان ہی کی نظامت کا واقعہ سمجھا جاتا ہے! سرکار بدایوں - جو آئین اکبری کے بموجب ۳۱ محال یا پرگنوں پر مشتمل تھی - کوئی ایسی معمولی چیز نہ تھی کہ کسی نوآمیز و نا تجربہ کار کو یک لخت ایسی بڑی سرکار کا ناظم بنا دیا جاتا! قطب الدین خاں کی خدمات اور اکبری عنایات و تقرر نظامت سے بہت پہلے شروع ہو چکی ہونگی! اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظامت سرکار بدایوں اگر پیدائش سلیم پر یا اس سے کچھ پیشتر قطب الدین خاں کو تفویض ہوئی تھی، تو اور چھوٹی بڑی خدمات شیخ خوبو سے پہلے ہی ظاہر ہو چکی ہونگی اور ان کا صلہ - منصب یا اور کچھ - ہر موقع پر ملتا رہا ہوگا!

شیخ قطب الدین - خوبو یا شیخ جیون - ناظم بدایوں عرصہ و راز
 تک رہے! آتشزدگی کے دوسرے سال یعنی ۱۱۷۷ھ میں
 بدایوں میں فساد برپا ہوا اور غالباً ٹھاکروں یا دوسرے باشندوں
 کی شرارت اس کا جزو اعظم تھی: شیخ قطب الدین کے والد
 شیخ اعظم اسی فساد کے فرو کرنے میں شہید ہوئے! لیکن یہ سورش
 جب اور زیادہ بڑھی تو اس کے استیصال کے لئے قطب الدین خاں
 کو اچھی خاصی لشکر کشی پر مجبور ہونا پڑا چنانچہ کانٹھ اور گولا کے گورنر
 حسین خاں کو اس کے فرو کرنے کے لئے بطور امداد آنا پڑا۔ کیونکہ
 کانٹھ اور گولا بھی سرکار بدایوں کے ماتحت محالات تھے!
 قطب الدین خاں کے ناظم بدایوں ہونے کے علاوہ اس خاندان
 کے اکثر افراد دور اکبری میں مغز عہدوں پر مامور ہو چکے تھے!
 قطب الدین خاں کے ماموں زاد بھائی، علاء الدین منصب داروں
 کی فہرست میں آچکے تھے؛ شیخ کبیر ان کے قریبی رشتہ دار و
 طبقہ امر ہو چکے تھے؛ اور شیخ بایزید - قطب الدین خاں کے

بمزم - گزیر بدایوں مندرجہ نوٹ بمزم، صفحہ ۱۴۲!

بمزم - ماثر الامارے تیموری، مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی - جلد اول صفحہ ۱۱۸!

بمزم - ماثر الامارے تیموری جلد دوم صفحہ ۶۳۰! بمزم - ماثر الامارے تیموری جلد سوم صفحہ ۳۶!

دوسرے ماموں زاد بھائی۔ منصب و دہزار سی تا تک ترقی کر چکے تھے !

قطب الدین خاں ناظم بدایوں کے افتدار کی نہایت مجمل تصویر اس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ آتشزدگی ۱۲۷۵ھ سے جو نقصان عظیم بدایوں کی عالی شان جامع مسجد کو پہنچا تھا اور اس کا گنبد مدارد ہو گیا تھا۔ اُس کی از سر نو تعمیر قطب الدین خاں ہی نے اپنی جیب خاص سے کرائی ! چنانچہ تعمیر کے آغاز کا پورا ثبوت اُس عبارت سے ملتا ہے جو مسجد مذکور کے شمالی ستون پر ایک سنگ سرخ میں۔ دو سطروں میں۔ بہ ترتیب ذیل کندہ ہے:-

(سطر اول) ” در عهد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی
در سالہ یک ہزار و سیزدہ ہجری بنا کرد
این مسجد قطب الدین چشتی عرف شیخ
خوبو کو کہ۔ (سطر ثانی) ابوالمظفر سلطان
سلیم شاہ غازی ابن جلال الدین اکبر با تمام

نواب شیخ ابراہیم ولد خان مذکور کو کہ - مشیرِ عمارت
عبدالملک قاضی

یہ تعمیر جو ۱۳۱۴ھ میں شروع ہوئی تھی عرصہ کے بعد تکمیل کو پہنچ
سکی اور یہ ہی وہ قطعہ تاریخِ کتب ہے جو مسجد مذکور کی محرابِ کلاں
کے جنوبی ستون پر سنگِ سُرخ میں کندہ ہے! قطعہ تاریخ یہ
ہے:-

بنائے خانِ قطب الدین مرحوم * شدہ محکم بہ حکم خانِ کشور
بعد شیخ فیض اللہ چشتی * شدہ اتمام با صد زینت و فر
پئے تاریخ او گفتم خرو را * زجاں گو خالصہ العدا کبرا!
ان دونوں کتبوں پر غور کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ تعمیرِ مسجد
از سر نو - قطب الدین خاں کے زمانہ نظامت میں ۱۳۱۴ھ
شروع ہوئی تھی، اور ان کے لڑکے نواب شیخ ابراہیم کے اتمام
سے شروع ہوئی تھی۔ مگر اس تعمیر کی قطعی تکمیل نواب شیخ ابراہیم کے
حکم سے - جواب کشور خاں کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔

قطب الدین خاں کی وفات کے بہت بعد - بلکہ خود کشور خاں
کے انتقال کے بعد - ہوئی! جو کچھ بھی ہو، ایسی عظیم الشان
مسجد کی از سر نو تعمیر اور اپنی جیب خاص سے - ایسی چیز ہے

کہ قطب الدین خاں ناظم بدایوں کے اقتدار و متول پر اچھی خاصی روشنی ڈال سکے! تعمیر مسجد کے علاوہ محلہ خیل حشتیان میں نواب قطب الدین خاں نے بڑی بڑی سنگیں عمارات تعمیر کرائی تھیں اور ان ہی میں رنگ محل و رتن محل دو مشہور عمارات تھیں! اُسی زمانہ میں ایک وسیع محلہ آباد کر کے اس کا نام اپنے بڑے صاحبزادے شیخ ابراہیم کے نام پر - ابراہیم پور رکھا تھا جو اب تک اسی نام سے - عرف عام میں براہیم پور کے نام سے - موسوم چلا آتا ہے! ایک کٹہرہ اور متعدد دکانات معہ ایک بڑی کارواں سرائے کے اپنے دوسرے صاحبزادے شیخ فتح الدین کے نام سے تعمیر کرائی تھی! اس کٹہرہ و دکانات کی جگہ اب کارمیکل گنج ہر، اور کارواں سرائے - جو سرائے فتح الدین کے نام سے پکاری جاتی تھی - اب ٹاؤن ہال اور اس کے احاطہ میں جنم لے چکی ہے!

صاف پایا جاتا ہے کہ اولاد بابا صاحب کے وہ نفوس جو فتوحات بابر کے دور میں، فاتحانہ بدایوں میں سکونت

پذیر ہوئے تھے سلطنت مغلیہ میں نہایت فارغ البال اور
 آسودہ حالت میں تھے، خصوصاً نواب قطب الدین خاں شیخ
 خوجو۔ ناظم سرکار بدایوں سب سے زیادہ فسی رتبہ، صاحب
 اقتدار، اور با اثر امیر تھے! گو یا شیخ فرید کا وجود جس گھر میں ہوا
 وہ ہر لحاظ سے بدایوں کا نہایت مغز و سر پر آورده گھر تھا!
 کوئی شک نہیں کہ شیخ خوجو کی عزت کو آگے چلکر جہانگیر نے
 چار چاند لگائے، لیکن نظامت سرکار بدایوں اور اُس سے
 پیدا ہونے والا اقتدار و اثر، وہ چیزیں تھیں جو دورِ اکبری
 میں ہی حاصل ہو چکی تھیں!

شیخ فرید کی پیدائش کا زمانہ تمام ہندوستان پر نظر ڈالتے ہوئے
 شخصی سلطنت کا زمانہ تھا! بادشاہت خود مختار کا عجب و ذرا،
 رعیتِ اسلحہ بند کی شورش و فساد، امراءے با اقتدار کا صاحب
 لشکر و جاہ ہونا، و رہا رہوں اور شاہزادوں کے ٹوٹے جوتے؛
 تمام باتیں جن کو ایک لحاظ سے قوم و ملک کی زندگی، اور دوسرے
 لحاظ سے شخصی سلطنت کے عیوب، سمجھا جاسکتا ہے۔
 اُس وقت بھی جلوہ گر تھیں! مگر پھر بھی، سلطنتِ مغلیہ کا ہندوستان،
 نہ تو غریبوں اور خلیجیوں کا ہندوستان تھا جس میں فاتحین قریب

قریب موجودہ اصول سلطنت کے موافق۔ مفتوحین سے معاشرت
 میں، سکونت میں، بے تکلفی آمیز ارتباط میں، ایک حد تک الگ
 اور کنارہ کش تھے؛ اور نہ موجودہ خاموش و پُرامن ہندوستان
 تھا جس میں استعمالِ اسلحہ تو کجا، استعمالِ قلم کی بھی قدرت نہ ہو؛ بلکہ
 یہ وہ ہندوستان تھا، جہاں اکبر عرشِ آشیانی کے حسبِ مرضی۔
 یا علامی ابوالفضل کی پس پردہ حکومت کی بدولت۔ ہندوستان
 کو اپنا وطن سمجھنا اور ہندی رسوم و معاشرت کے سانچہ میں روز بروز
 ڈھلتے جانا، شعائرِ سلاطین بنکر ”النَّاسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ“ کے
 مصداق، مسلمان آبادی پر مسلط ہوتا جاتا تھا! محل میں رہنے
 والی رانی پوری آزادی کے ساتھ پوجا پاٹ کرتی تھی، رسم
 ختنہ غالباً اسی عادتِ رانی نوازی کے سرِ صدقہ ہو چکی تھی، ریش و
 بروت بھی اسلامی حدود سے خارج ہو چلی تھیں، سلاطین کا مذاق
 ایرانی و غلی ہونے کے بجائے، ہندی و ہندوستانی ہوتا جاتا
 تھا، اور فاتح و مفتوح کا بین امتیاز۔ ناقابتِ اندیشی و جہالت
 سے، یا دانشمندی و صلحت سے۔ یک قلم اٹھتا جا رہا تھا!
 عرشِ آشیانی کا دورِ شخصی سلطنت کے ناگزیر تقاضے کو نظر انداز
 کر کے۔ سلطنت مغلیہ کا زریں زمانہ تھا! فتوحات و ملک گیری

میں دن دوئی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی، باغیوں کو ہر موقع پر قرار واقعی سزا ملتی تھی، اور بڑے بڑے گردن کش جنگجو حلقہ بگوش اطاعت ہوتے جاتے تھے؛ لیکن بغاوت و فساد - فی نفسہ - موجود تھا، اور موجود رہا! شورش کا مادہ فاسد جسم سلطنت سے اُن دیر پا اور مضعف کن اصولوں پر خارج نہیں کیا گیا تھا جن پر نگار ہونے سے ہندوستان پر - موجودہ ہندوستان پر امن کی طرح - عرصہ دراز کے لئے عالمگیر سکون بھیں چھایا رہتا! شورش ہوتی تھی، بغاوت ہوتی تھی، فساد ہوتا تھا، اور ان سب کا فوری السدا و لشکر کشی کی صورت میں ہمیشہ کر دیا جاتا تھا! رعیت تعلیم یافتہ نہ تھی اور اسی لئے طبقہ عوام اپنے جاگیرداروں یا عمال کا بلا چون و چرا مطیع تھا؛ وکالت و قانون کش کش آمیز مفقود تھا اور نمک حلائی کے انعام اور جرائم کی سزا کے لئے، عرصہ تک انتظار کرنا اور مختلف دروازے کھٹکھٹانے نہیں پڑتے تھے؛ تقریباً کل آبادی رائج الوقت اسلحہ کے استعمال کی عادی اور شرکت جنگ کے لالین بنی رہتی تھی؛ غلہ کی ارزانی اور ضروریات زندگی کی قلت آمیز سادگی، ہر شخص کو فارغ البال اور احتیاج ہمت شکن سے مامون رکھنے کے لئے کافی تھی؛ طبقہ امرا با اثر،

صاحبِ قوت، اور فی الحقیقت متمول گروہ تھا اور سلاطین،
ہندوستان ہی میں پیدا ہوتے تھے، اسی آب و ہوا سے
نشوونما پاتے تھے، اسی کی پیداوار پر گلچھڑے اُڑاتے تھے، اسی
کی زمین پر عجائباتِ دنیا سمجھی جانے والی عماراتِ سرِ فلک
کشیدہ تعمیر کراتے تھے، اسی کے باشندوں کو تہ تیغ کرتے
تھے، اسی کے سپوتوں کو صاحبِ لشکر و حشم بناتے تھے اور
آخر کار۔ اسی ملکِ نظر فریب میں۔ تمام عمر اچھی یا بُری طرح بسر
کرنے کے بعد، ہندوستانی مٹی کے نیچے محوِ خوابِ عدم ہو جاتے
تھے!

دربارِ رسی اور روشناسی طبقہ اعلیٰ نہایت مشکل کام تھا؛ عرصہ
کی اطاعت و جاں نثاری کا زینہ ہی صرف اس مقصد بلند پایہ
تک پہنچا سکتا تھا! جاگیر و معافی، خطاب و منصب، تقرب
سلاطین، یہ سب باتیں ایسی مادی عزت سے معمور تھیں کہ
ان کا پالنے والا حقیقی معنوں میں مستغنی، متمول، صاحبِ
حکومت و اثر، اور کئی پشتوں کے لئے مالا مال ہو جاتا تھا! مگر
اس میں بھی شک نہیں کہ یہ مادی مفاد بلا خدمتِ سرفروشی
کے حاصل نہیں ہوتا تھا! خدماتِ اعلیٰ اور کارِ ہا پسندیدہ

زیادہ تر فوج میں علی حصہ لینے پر منحصر تھے اور محض قلم کے گھوڑی
 سطح کا غڈ پر دوڑانے سے عزتِ اصلی کا میدان ہاتھ نہیں
 آسکتا تھا! گو یا خدمت بھی جاں فروشی اور ہمہ تن تصدیق ملک
 ہو جانا تھی، اور عزت بھی ٹھوس، دیرپا، حکومتِ اصلی سے
 معمور اور مستغنی بنا دینے والی تھی! اس کے ساتھ ہی ساتھ مزاج
 سلاطین ایک قطب کی حیثیت رکھتا تھا جس کی طرف طبقہ
 امراء اور گروہ دربار رس کا قطب نما ہمیشہ مائل رہتا تھا!

حصولِ تخت کے لئے شاہزادوں میں چٹپک اور امراء میں
 گروہ بندی لازمی نتیجہ تھا: ظل اللہ بننے کا شوق بعض اوقات
 حقیقی بھائیوں۔ بلکہ باپ بیٹوں۔ میں تلوار کی بجلیاں چمکا دیتا
 تھا اور طبقہٴ با اثر مخالفین پر تقسیم ہو کر آپس میں ہی خون کی ندیاں
 بہا دیتا تھا! زبان و الفاظ کا پاس، عزت کا احساس، شعار
 قومی کی تقلید، با عینوں کی قطع و برید، سینہ میں دل۔ دل
 میں حوصلہ: قبضہٴ شمشیر پر ہاتھ۔ ہاتھ میں طاقت: مختصر
 یہ کہ۔ ہندوستان منجلا اور جاہل، مطمئن اور جنگجو، قومی اور
 محو متوج شجاعتِ نظیر تھا!

تار، ریل، موٹر، اور تمام نئی ایجادات دنیا کے ہند سے

مفقود تھیں: مگر ان تمام نمائشی مایحتاجِ زندگی سے لاعلمی تھی۔ اور لاعلمی کی وجہ سے ان کے حصول کی ادلے بھی خواہش پیدا نہ تھی! گویا زندگی۔ اُس کی محدود ضروریات کے لحاظ سے۔ بدرجہا آسان، سستی، اور سادہ تھی! اسی کی وجہ سے تنہا خوری اور عدم تواضع ناقابلِ معافی سوشیل گناہ تھے! مگر دنیا سازی تھی تو ضرور؛ مگر مکر اور دنیا سازی کے ہی نام سے پکڑی جاتی تھی۔ کوئی ”حکمتِ عملی“ اور ”مصلحتِ وقت“ جیسا معزز لقب اُن کو عنایت نہیں ہوا تھا اور نہ وہ اس وقت تک دنیا میں ڈپلومیسی، اور پالیسی کی اونچی اسٹیج پر جلوہ افروز ہو سکی تھیں! انجمن و عناد کا طویل دلی بغض میں عرصہ و راز تک نہیں رہ سکتا تھا اور سادہ لوح طبائع بہت جلد اس کا اختتام یا تو صلحِ باطنی میں کر دیتی تھیں، یا تلوار کھلم کھلا۔ ڈنکے کی چوٹ۔ ثالث بالچیر بنا دی جاتی تھی! ہر کام میں استقلال تھا؛ ظاہر و باطن یکساں تھا؛ سب سے بڑا قصور بغاوت، اور سب سے زیادہ ضروری فرض اطاعت تاج و تخت، تھی! ہر منصب دار اپنی ذات کے منصبِ نقد کے علاوہ ایک خاص تعدادِ سالہ کی بھی رکھنے پر مجبور تھا جس کے لئے نقدِ اخراجات ”سوار“ کے نام سے علیحدہ ہوتے تھے! کسی

مہم کی تعیناتی پر منصب داران متعینہ کے نام فرمان و پروانہ جاری ہوتے تھے، خلعت و تلوار و عیضہ ہمت افزائی کے لئے عنایت ہوتی تھی اور سپاہ شاہی کے علاوہ منصب دار کی جماعت کمک اور لڑائی کی شرکت میں کنٹنٹ کی حیثیت رکھتی تھی! فتوحات پر، انعام و صلہ کے طور پر، منصب و جاگیر عطا ہوتے تھے، نظامت و گورنری کے جلیل القدر عہدے تفویض ہوتے تھے اور ہر طرح عزت افزائی کی جاتی تھی! ہر ناظم و جاگیر دار کے علاقہ و صوبہ میں بادشاہ کی جانب سے ایک واقعہ نگار مقرر رہتا تھا جو وقتاً فوقتاً اس جاگیر دار کی حالت چال و چلن اور ارادہ اطاعت یا بغاوت سے دربار شاہی کو اطلاع دیتا رہتا تھا، اور ہر ناظم و جاگیر دار کی طرف سے ایک وکیل دربار شاہی میں حاضر رہتا تھا جو احکامات شاہی سے اس کو مطلع کرتا رہتا تھا!

ایسے زمانہ، ایسی حالت گرد و پیش، اور ایسی سرزمین میں شیخ فرید، نواب قطب الدین خاں - سرکار بدایوں کے ناظم - کے معزز و ممتاز گھر میں پیشہ ہیں - پیدا ہوئے!!

نہرا - شیخ فرید کی عمر نواب قطب الدین خاں کے قتل کے وقت (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

شیخ خود دورِ جہانگیری میں (۳) ایک تاریخی غلطی

شیخ فرید کی پیدائش سے لیکر دورِ اکبری کے اختتام تک قطب الدین خاں کے اقتدار و مرتبہ میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا۔ وہ ناظمِ سرکارِ بدایوں تھے اور غالباً آخر تک رہے کیونکہ جامع بعد بدایوں کی آغازِ تعمیر کا سنہ اکبری کی وفات سے ایک ہی سال پیشتر کا ہے! سنہ ۱۰۷۷ھ سے ۱۰۷۸ھ تک ہندوستان کی سلطنت میں بہت کچھ اصنافِ فتوحات ہوتا رہا لیکن قابلِ ذکر واقعہ شاہزادہ سلیم کی عارضی خود سری مٹی! اکبر نے برہان پور جاتے وقت شاہزادہ سلیم کو معہ رانا پرروانہ کیا تھا۔ مگر اجیمیر میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) یعنی ۱۰۷۶ھ میں۔ خاندانی تواریخ قلمی میں آٹھ سال کے قریب غلطی ہوئی۔ اسی کی رو سے پیدائش سنہ ۱۰۷۶ھ کی سمجھی جاسکتی ہے!

مصروفِ شکار رہ کر سلیم بجائے ہم رانا کے شکارِ تخت و تاج کے خواب دیکھنے لگا تھا! دیکھنے ہی نہیں، بلکہ عملی صورت میں بھی نقل و حرکت کرنے لگا تھا! اکبر جیسے نچتہ کار نے سمجھایا، پیغامات بھیجے، لیکن جب معاملہ طول کھینچتا گیا تو اُسے بادلِ ناخواستہ وکن کی روز افزوں فتوحات سے دست کش ہو کر دار الخلافہ کا سُرخ کرنا پڑا!

شاہزادہ سلیم الہ آباد میں مصروفِ انتظام تھا! اس کے پکے جاں نثار اور سچے خادم اُس کے ساتھ تھے! نواب قطب الدین خاں بھی ممکن نہ تھا کہ ایسے موقع پر ساتھ چھوڑ دیتے! چنانچہ اُس عالمِ رواروی میں جو انتظامات سلیم نے کئے تھے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قطب الدین خاں - شیخ خوبو - کو صوبہ بہار کی نظامت یا گورنری عطا ہوئی! اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سلیم کے دل میں شاہزادگی کے زمانہ سے ہی شیخ خوبو کی کس قدر قدر و منزلت تھی اور شیخ جیون اس کو کس درجہ عزیز تھے! شاہزادہ سلیم کی خود سری کا معاملہ کم و بیش دو ڈھائی سال چلتا رہا؛ ابو الفضل کا قتل، اکبر کی والدہ - مریم مکانی - کا انتقال، خسرو کی سلیم کے خلاف ریشہ دوانی، اور سلیم کی بیوی - خسرو کی ماں - کی نا

لڑکے سے تنگ آ کر خودکشی؛ یہ کل واقعات اُسی زمانہ میں
 اور۔ کہا جاتا ہے کہ۔ اُسی خودسری کے باعث سنے ظہور پذیر
 ہوئے! اکبر کی دوراندیشی اور استقلال نے اُس بغاوت
 کو کوئی خوفناک صورت اختیار نہ کرنے دی اور آخر کار
 باپ بیٹے کی باہم غلط فہمیاں، فطری محبت کے تقاضہ سے
 دور ہو گئیں! سلیم نے سر جھکا دیا اور اکبر نے سینہ سے لگا لیا۔
 نہ کوئی فساد تھا نہ بغاوت!

اکبر عرشِ آشیانی کی آنکھ بند ہوتے ہی، خسرو ناخلف نے
 اپنے خسرو خان اعظم اور اپنے ماموں راجہ مان سنگھ کے بل پر
 بہت کچھ ہاتھ پاؤں پیٹے مگر شاہزادہ سلیم نے مرتضیٰ خاں بخاری
 کو اپنے ساتھ لیا، مان سنگھ کو بنگالہ کی گورنری کا قلم تزدیکر ٹالا،
 اور تختِ ہندوستان پر جہانگیر کے لقب سے جلوہ افروز ہو گیا!
 شخصی سلطنت میں ایک دور ختم ہو کر دوسرا دور شروع ہونے
 کا اثر محض تخت تک محدود نہیں رہتا بلکہ سلطنت کی حدود تک
 اُس انقلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں بچ سکتیں! جہانگیر کے
 تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی اُس کے مخالفین پر عتاب کا
 عذاب، اور اس کے جاں نثاروں پر بذلِ خسروانہ کی حمیت،

نازل ہونے لگی! قطب الدین خاں کے ساتھ جو محبت دلی
جہانگیر کو تھی اُس کے لحاظ سے یہ کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں ہو سکتا
کہ قطب الدین خاں کا مرتبہ و اقتدار دور جہانگیری میں اگر سب
سے زیادہ نہ تھا، تو کسی سے کم بھی نہ تھا!

قطب الدین خاں کو جہانگیر خود جہانگیر کے الفاظ ہیں کہ - بھائی بیٹے
کے برابر سمجھتا تھا اور ان کی والدہ بی بی خدیجہ کو - جو حضرت سلیم
چشتی کی صاحبزادی تھیں - اپنی حقیقی ماں کے برابر جانتا تھا!
اسی وجہ سے قطب الدین خاں، کوکلتاش کے لقب سے لقب
ہو گئے! محض شاہی کو کہ ہونا فی الحقیقت اس اقتدار و مرتبہ کا باعث
نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا؛ حضرت سلیم چشتی کے حکم سے اُن کی صاحبزادی
اور بہوؤں نے تبرکاً و تمیناً جہانگیر کی پیدائش پر اس کو دودھ پلایا
تھا، لیکن جہانگیر کو جس قدر انس بی بی خدیجہ سے تھا اس قدر حضرت
سلیم کی صاحبزادیوں میں سے اور کسی سے نہ تھا! باقاعدہ طور پر
جہانگیر کو دودھ پلانے کے لئے زمین خاں کی ماں بھتیس جنہوں نے
اتنا کی طرح جہانگیر کو دودھ پلایا تھا، اور اسی وجہ سے زمین خاں نے

کو کہ کا لقب پایا تھا! شاہی کو کہ کی جو عزت ہوتی تھی اور ہوتی
اُس کا اگر قطب الدین خاں کی عزت اور اُس برتاؤ سے جو
قطب الدین خاں کے ساتھ کیا جاتا تھا، مقابلہ کیا جائے تو
معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ تمام اقتدار محض کو کہ ہونے کی وجہ سے
نہ تھا بلکہ حضرت سلیم چشتی کی عظمت و تقدس جس سے شیخو
بابا پوری طرح متاثر تھا۔ اس کا باعث ہوئے! قطب الدین خاں کو
جہانگیر کا اپنے قلم و زبان سے بھائی بیٹے کے لقب سے یاد
کرنا ایک ایسی عزت تھی کہ اُس زمانہ میں اقتدار کی معراج سمجھی
جاسکتی ہو! بی بی خدیجہ سے جہانگیر اس درجہ مانوس تھا کہ ان کے
انتقال پر ان کے جنازہ کو خود جہانگیر شہنشاہ ہندوستان نے
کسی قدم تک کندھا دیا تھا، صدمہ و رنج کی وجہ سے کسی روز نہ کھانا
کھایا تھا، نہ کپڑے تبدیل کئے تھے! صرف یہ ہی واقعہ بتا سکتا ہو
کہ قطب الدین محض ایک شاہی انا کے لڑکے تھے، یا بابا صاحب
علیہ الرحمۃ کی اولاد اور حضرت سلیم کے نواسے ہونے کی وجہ سے
ذی عزت و صاحب مرتبہ تھے! شہنشاہ ہندوستان کا خود

کسی کو کندھا دینا ایسی عزت نہ تھی کہ اُس زمانہ میں محض دودھ پلانے والی انا کو نصیب ہوئی ہو یا ہوتی ہو !

دور جہانگیری کے شروع ہوتے ہی، قطب الدین خاں کے اقتدار و مرتبہ میں دن دوئی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی !

قطب الدین خاں کی وہ خدمات جو عرصہ سے سلیم کے ساتھ کرتے آئے تھے، اور وہ استقلال و پامردی جس کا اظہار انہوں نے

شاہزادہ سلیم کا ساتھ زمانہ خود سری میں دیکر کیا تھا، اور ایسے نازک وقت میں۔ جبکہ اکثر کابی مذہب امراء اکبر سے جا ملے تھے۔

دامن سلیم کو کبھی نہیں چھوڑا تھا، اب بار آور ہونے شروع ہو گئے !

پہلے ہی سال میں ”خانی“ کا خطاب عطا ہوا، شمشیر صاع عطا ہوئی،

خجھر پیش ہوا۔ جس کی قیمت خود جہانگیر چھ ہزار روپیہ بتاتا ہے عطا

ہوا، اور عطیات شاہی کا دروازہ کھل گیا ! اسی سال میں

قطب الدین خاں کے ماموں زاد بھائی۔ شیخ بایزید کو معظم خاں کا

خطاب ملا اور دہلی کی حکومت عنایت ہوئی ! غالباً پہلی مرتبہ اسی

سال میں۔ نواب قطب الدین خاں نے اپنے بڑے لڑکے شیخ

ابراہیم کو پیش کیا چنانچہ کشور خاں کا خطاب اور ہزاری ذات
 دسہ صد سوار، کا منصب جہانگیر نے شیخ ابراہیم کو بھی عطا فرمایا!
 شاہزادہ سلیم کے جہانگیر بننے ہی، نواب قطب الدین خان کلناش
 آسمان غر و مرتبہ کے مہ نیم ماہ بنگر چکنے لگے! پہلے ہی سال کے
 جشن قمری کے موقع پر، نمک حلالی و جاں نثاری کا معاوضہ شہنشاہ
 جہانگیر کے حکم سے ابر رحمت کی طرح برس پڑا! ”پنج ہزاری ذات“
 کا منصب اعلیٰ و ممتاز عطا ہوا؛ خلعت خاص رحمت ہوا؛ بشیر
 مرصع عنایت ہوئی؛ خاصہ کا بیش قیمت گھوڑا معہ زین مرصع
 بخشا گیا؛ اور بنگالہ و اوڈیسہ کی صوبہ داری۔ جو پچاس ہزار سوار کی
 جگہ تھی، اور جس کے صوبہ دار کو انگریزی مورخ والسٹری کے لقب
 سے یاد کرتے ہیں۔ تفویض ہوئی! اس عزت و مرتبہ کے ساتھ
 قطب الدین خاں بنگالہ کے والسٹری بنکر، اول سال جہانگیری
 میں بنگالہ کی طرف چلے اور ایسے کر و فر کے ساتھ چلے کہ ایک لشکر
 جرار ہمراہ کیا گیا اور دو لاکھ روپے نقد اخراجات کے لئے

نمبر۔ کل علیات کا تذکرہ توڑک جہانگیری میں جشن وزن قمری سال اول میں
 درج ہے!

نمبر۔ ملاحظہ ہو تاریخ ہندوستان مولفہ ایلینٹ صاحب جلد ششم صفحہ ۴۰۲-۴۰۳!

عنایت کئے گئے! قطب الدین خاں کم و بیش ایک سال بنگالہ کے والسرائے رہے، کیونکہ دوسرے ہی سال شیراغلن خاں کی بغاوت کے السداد میں شیراغلن خاں کی عیاری نے ان کا خاتمہ کر دیا! جہانگیر اور نور جہاں کی وجہ سے یہ واقعہ اس قدر مشہور ہے کہ قریب قریب ہر تاریخ میں موجود ہے! چونکہ جہانگیر کسی زمانہ میں نور جہاں کو محبت کی نظر سے دیکھتا تھا، اور قطب الدین خاں کی شہاد کی وجہ سے ہی شیراغلن کا قتل وجود میں آ کر نور جہاں کو اس سے نجات ملی تھی، اس لئے شیراغلن کے قتل کو بھی عموماً مورخین نے اُسی محبت کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے جو جہانگیر کو نور جہاں سے تھی! وہیلر صاحب نے اپنی ”تاریخ ہندوستان“ میں اس واقعہ کو جس طرح توڑ موڑ کر بیان فرمایا ہے اُس کا لب لباب یہ ہے کہ نور جہاں ایک ایرانی کے ساتھ پہلے سے منسوب تھی اور جہانگیر کی نظر اُس پر بعد میں پڑی: اکبر کے جیتے جی جہانگیر نور جہاں کو شیراغلن کے پنجے سے نہ نکال سکا مگر اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی والسرائے بنگالہ نے جہانگیر کی پوشیدہ تمناؤں پر شیراغلن کا مقابلہ کیا جس دونوں مارے گئے اور اس طرح نور جہاں جہانگیر کے قبضہ میں آ گئی! وہیلر صاحب کی محفل اور خلافت واقعہ تحریر دیکھ کر مجھے

ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس واقعہ کو مشرح و بسط کے ساتھ مستند تواریخ سے لیکر پیش کش ناظرین کروں اور اس کا فیصلہ خود ناظرین پر چھوڑ دوں کہ یہ واقعہ عام طور پر کس قدر غلط بیان کیا گیا اور سمجھا گیا ہے!

وہیلر صاحب کی ”تاریخ ہندوستان“ کی مونی مونی آٹھ جلدیں ایک ناواقف تاریخ کو مرعوب کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہیں لیکن معلومات کی وسعت کا پتہ صرف اس سے ہی چل سکتا ہے کہ آپ نورجہاں کا ایک ایرانی سے منسوب ہونا جہانگیر کی محبت امیر نظر پڑنے سے پیشتر کا واقعہ بیان فرماتے ہیں، حالانکہ اس کا وجود کسی مستند تاریخ میں نہیں! اور تو اور آپ نورجہاں کو شیر افغن کے قتل کے بعد جہانگیر کی راجپوت ماں کی پرستاری میں دیدیتے ہیں! یہ ہیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!

نبرہ - ملاحظہ ہو Wheeler's "History of India" Vol. III صفحہ ۲۰۲! تعجب ہے کہ سلیمہ سلطانہ بیگم کو وہیلر صاحب راجپوت بیان فرماتے ہیں حالانکہ وہ ہمالیوں بادشاہ کی بہن گلرخ بیگم اور مرزا نور الدین محمد خواجہ کا شغری لڑکی تھیں اور راجپوت خون ان میں کسی طرف بھی نہ تھا! یہ جہانگیر کی سوتیلی ماں ضرور تھیں اور نورجہاں ان کی پرستاری میں بھی رہی تھیں، مگر ان کو جہانگیر کی راجپوت ماں بیان کرنے سے وہیلر صاحب کی تحقیق اور شان واقعہ نگاری کا پتہ چلتا ہے!

سب سے بہتر اور آسان تو یہ ہوگا کہ کل واقعہ ”توزک جہانگیری“ سے نقل کر دیا جائے، لیکن بعض طبائع ”توزک جہانگیری“ کو اس واقعہ کے لئے قابل تسلیم نہیں سمجھتیں۔ اور محض اس وجہ سے نہیں سمجھتیں کہ جہانگیر بذات خود ایک فریق۔ بلکہ انہی نگاہ میں فریق مجرم ہی! جہانگیر نے توزک جہانگیری میں جس راست بیانی اور صفائی سے کام لیا ہے وہ اس سے ہی ظاہر ہے کہ وہ ابوالفضل کے سازش قتل سے لیکر اپنی شراب نوشی اور افیون خوری تک کو من عین درج کر دیتا ہے: ہر شخص کے قتل و سزا کو بلا کم و کاست بیان کرتا ہے؛ پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ محض اس واقعہ کو غلط لکھتا یا نہ لکھتا! توزک جہانگیری کو چھوڑ کر ”جہانگیر نامہ“ کو لیا جائے تو وہ بھی لفظ بہ لفظ توزک جہانگیری کی تصدیق کرتا ہے؛ ”اقبال نامہ جہانگیری“ میں بھی یہ ہی نظر آتا ہے! ان سب مورخین کو جہانگیر سے خائف مان کر علیحدہ رکھ دیا جائے تو متاخرین میں سب سے زیادہ باوقفت خانی خاں اور اس کی مستند تاریخ منتخب اللباب سمجھی جاسکتی ہو! خانی خاں اس واقعہ کو مذکورہ بالا تاریخ سے نہیں لیتا بلکہ ”منہج الصادقین“ سے استنباط کرتا ہے اور اس بنا پر استنباط

کرتا ہے کہ ”منہج الصادقین“ کا مولف محمد صادق تبریزی تھا جو نہ ہندوستان کا باشندہ تھا اور نہ جس پر جہانگیر کا کوئی اثر تھا! میں بھی اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ منتخب اللباب سے لیتا ہوں اور دکھانا چاہتا ہوں کہ عموماً کتب تواریخ راج میں کس قدر فاش غلط فہمی ہوئی ہے!

کہتے ہیں کہ غیاث بیگ ولد خواجہ محمد طہرانی، طہماسپ صفوی شاہ ایران کے عہد میں حاکم خراسان تھا، حوادثِ لیل و نہار سے اس درجہ عسرت و مفلسی تک پہنچا کہ وطن کو خیر باد کہہ کر ہندوستان کو چلا! اسی ناداری کے عالم میں قندھار کے قریب ایک لڑکی پیدا ہوئی اور تنگدستی کے باعث ایک کپڑے میں لپیٹ کر قافلہ میں ڈال دی گئی! بچہ کے رونے کی آواز ایک شخص کے کان تک پہنچی جو اُسے اٹھا کر ملک مسعود سالار باشی کے پاس لایا: خدا کی شان، دودھ پلانے کے لئے اُس لڑکی کی ماں ہی قافلہ بھر میں میسر آ سکی! خواجہ مسعود کو سارا حال معلوم ہو گیا اور ہندوستان پہنچ کر اس نے دیگر تحائف کے ساتھ غیاث بیگ کو اکبر کے حضور میں

پیش کر دیا! مختصر یہ کہ اس طرح غیاث بیگ اور اس کا لڑکا
 ابو الحسن ملازمان شاہی کے زمرہ میں داخل ہو گئے اور انکی بیوی
 ولڑ کی محل میں بیگمات شاہی کی خدمت سے بہرہ اندوز ہونے
 لگیں! اُس لڑکی - مہر النساء خانم - نے ہوش سنبھالا، ہاتھ پانوں
 نکالے، اور رحمت صورت آفرین سے غضب کا حُسن پایا!
 آفتابِ شباب کے انعکاس کے ساتھ ہی جہانگیر کی معنی خیز نظریں
 بھی پڑنے لگیں، اور رفتہ رفتہ یہ راز طشت از بام ہو کر اکبر کے
 کان تک پہنچا! اکبر نے جہانگیر سے بچانے کے لئے فوراً علی قلی
 استاجلو کے ساتھ شاہی کر دی اور اس طرح اس شعلہ جوالہ کو
 جہانگیر کے سر سے ٹالا! علی قلی استاجلو شاہ طہاسپ صفوی کا
 سفرچی - یا سفرہ چی - تھا، جو گردشِ زمانہ کے ساتھ مدوی حال
 ہو کر خانِ خانان کے پاس اس وقت پہنچا تھا جب وہ ٹھٹھ کی
 فتح میں مشغول تھا! خانِ خانان نے اُس کو اکبر کے دربار تک
 پہنچایا اور ملازمت شاہی دلوائی! اس علی قلی استاجلو کے
 ساتھ مہر النساء خانم کی شادی اکبر نے کر دی اور جہانگیر کی محبت پیدا

ہوتے ہی کچل دی گئی! شادی کے بعد جب جہانگیر کو اکبر نے مہم
 رانا پر بھیجا تو علی قلی کو اس کی خدمت میں تعینات کیا؛ علی قلی نے
 اسی زمانہ میں۔ یعنی جہانگیر کے زمانہ خود سری میں۔ جہانگیر سے
 شیرا فلکن کا خطاب حاصل کیا اور جاگیر معقول پائی! باوجود اس
 الطاف و مہربانی کے، علی قلی نے آئندہ زمانہ میں دھوکہ دیکر جہانگیر
 ساتھ چھوڑا اور اکبر سے آملایا جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت خیال
 تھا کہ وہ اس حرام نکی کی پاداش بھگتے گا، مگر جہانگیر نے عین
 خطا پوشی سے یہ کام لیا اور بجائے سزا دینے کے، قصور گزشتہ کو
 معاف کر کے، بردوان عنایت کیا اور ہر طرح عزت افزائی کی!
 بردوان کی صوبہ داری ملتے ہی علی قلی نے جو وعدہ شروع کر دیا
 اور دو سال تک متواتر اس کے مظالم کی شکایات جہانگیر کے گوش زد
 ہوتی رہیں! جب جہانگیر کو اس بات کا علم ہو گیا کہ شیرا فلکن نافرمان
 اور آمادہ بغاوت ہے تو قطب الدین خاں وائسرائے بنگالہ کو حکم
 ملا کہ اس کو بلا کر فہایش کریں۔ اور اگر وہ راہ راست پر نہ آئے

بمزملا منتخب الباب خانی خاں جلد اول صفحہ ۲۶۶۔ نیز۔ تاریخ ہندوستان مؤلفہ

المیٹ صاحب جلد ششم صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳!

بمزملا ۱۲۔ Eliot's History of India Vol VI صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳!

تو بارگاہ والا کور وانہ کریں! قطب الدین خاں نے بنگالہ پہنچ کر آدمی
 دھڑیر کے ذریعہ سے مگر شیر افغن کو طلب کیا اور اُس نے آنے میں
 نفل و تجاہل سے کام لیا اور عذرات نامعقول پیش کئے تو انہوں
 نے دربار شاہی کو سارا حال لکھ بھیجا! اس پر حکم شاہی صادر ہوا کہ
 اس کو فوراً روانہ بارگاہ کیا جائے! مجبوراً قطب الدین خاں نے
 اپنے آپ کو اس کے علاقہ تک پہنچایا اور ملاقات کا پیغام بھیجا:
 شیر افغن بکتر و شمشیر نیمہ آستین کے اندر چھپا کر چند آدمیوں کی ہمراہی
 میں قطب الدین خاں کے پاس پہنچا! شیر افغن کی شورش طلبی
 کی یہ حالت تھی کہ: وہ قطب الدین خاں کے بنگالہ پہنچنے سے پہلے ہی
 محض اپنے وکیل کی تحریر پر، شاہی واقعہ نگار سے کہہ چکا تھا کہ ”میں
 آج سے شاہی ملازم نہیں ہوں“! اُس کی اس شورش طلبی کا لحاظ
 رکھتے ہوئے قطب الدین خاں نے شاہی احکامات کو جو بغاوت
 کی وجہ سے یقینی درشت ہوں گے۔ ملایم الفاظ میں ادا کرنا چاہا
 مگر شیر افغن کی طبع نباوت جو کہ وہ پھر بھی نا ملایم معلوم ہوئے!

شیر افگن اب مارنے مرنے پر تل بیٹھا اور فریب کے طور پر اُس نے قطب الدین خاں کے ہمراہیوں کی نسبت - جو اُس پاس موجود تھے - اعتراض کیا؛ قطب الدین خاں نے تمام آدمیوں کو ہٹا دیا اور خود اُس کے ساتھ تنہا باتیں کرتے ہوئے کسی قدم نکل گئے! اسی اثنا میں موقعہ پا کر شیر افگن نے وہ نیچہ جو آستین میں چھپائے ہوئے تھا، نکال کر قطب الدین خاں کے پیٹ پر مارا؛ قطب الدین خاں نے آواز دی کہ ”اس ناک حرام کو جانے نہ دینا“ اور ابنہ خاں کشمیری نے بڑھکر ایک ہاتھ اُس کے سر پر دیا؛ ابنہ خاں بھی زخم کھا کر گرے اور تمام ہمراہیان قطب الدین خاں نے شیر افگن کی تکتہ بونی ڈکڑالی!

اب ذرا ٹھہرئے! اور تمام مذکورہ بالا واقعات پر - ٹھنڈے دل کے ساتھ - نظر ڈالئے! امر النساء خانم کی اٹھتی ہوئی جوانی یا حسن صبر سوز، ووشیزگی کے عالم میں، نگاہِ وزویدہ کے ذریعہ سے ایک تیر شاہزادہ سلیم کی طرف - دانستہ یا نادانستہ - پھینک دیا اور خوش قسمتی سے نشانہ بھی سویدا کو ”بلز آئی“ بنا دیتا ہے!

سلیم کے دل میں اس شعلہ جوالہ کی محبت - ایسے زمانہ میں جبکہ وہ کسی سے منسوب نہ تھی - اگر ہو جاتی تو تعزیرات رائج الوقت کے بموجب کون سے جرم کا ارتکاب ہوتا ہے ؟ عقل سلیم تو یہی بتاتی ہے کہ غیاث بیگ مفلوک الحال کی رٹ کی کو ولیعہد ہندوستان کی محبت کا علم ہوتے ہی عجیب غریب خود نمائی آمیز پیدا ہوا ہو گا اور مسرت و افتخار کی ایک روہر موئے بدن میں دوڑ گئی ہوگی ! کہا شہنشاہ ہندوستان بننے والا جہانگیر اور کہاں مصیبت زدہ والدین کی رٹ کی مہر النساء خاتمہ ؟ اکبر نے جہانگیر کا یہ ارادہ محض اس وجہ سے پورا نہیں ہونے دیا کہ وہ مہر النساء کو جہانگیر کے لئے قطعی ناموزوں، خلاف شان، اور ذلیل سمجھتا تھا ! محض اس خیال سے کہ محبت بڑھتے بڑھتے تعشق کا رنگ نہ لے لے، اکبر نے عجالت کے ساتھ علی قلی استاجلو کو راضی پاکر مہر النساء کو اس کے سر منڈھ دیا اور اس طرح ”گر بہ کشتن روز اول“ کے اصول پر جہانگیر کی محبت کو ”آغاز میں ہی کچل دیا ! عام مورخین کا - اور زیادہ تر ان افسانہ نگاروں کا خیال ہے - یہ خیال ہے کہ مہر النساء خاتمہ علی قلی کی بیوی بن گئیں لیکن ان کی محبت جہانگیر کے دل میں برابر شعلہ کی طرح بھڑکتی رہی اور جہانگیر

کو علی قلی سے اسی وجہ سے رقابت پیدا ہو گئی یا یہ خیال ہی تمام غلط فہمی کی بنیاد
 اور از سر نو باخلافت واقعہ ہے اظہار ہے کہ لہذا خاتم کی شادی کے بعد علی قلی استاجلو، بھائی
 کے ساتھ مم رانا پرتھوی رہا اور جہانگیر نے الحقیقت آتش رقابت سے جلتا ہوتا تو اپنے
 قریبی کے پیغمبر بن کر بڑی آسانی سے اسکا خاتمہ کر دیتا! کہا جاسکتا ہے کہ خوف البر یا خیال نامائع
 ہوا ہو گا مگر بھی بے بنیاد خیال ہے: اس لئے کہ اسی زمانہ میں جہانگیر نے
 مخالف ابو الفضل کو، نہایت چالاکی اور دیدہ دلیری سے قتل کر دیتا
 ہے اور خوف البر یا پاس عزت اس کو مطلق نہیں روک سکتا!
 اس کے بتانے کی ضرورت نہیں کہ علامی ابو الفضل کس پایہ، اثر،
 اور مرتبہ کا شخص تھا؟ البر کس قدر اس کی مٹھی میں تھا؟ اور وہ برہانپور
 سے کس قدر لشکر کے ساتھ واپس آ رہا تھا؟ ظاہر ہے کہ ابو الفضل کے
 قتل سے جس قدر عتاب البری، کشت و خون، اور عام بدنامی کا اندیشہ
 ہو سکتا، بجا تھا۔ لیکن ابو الفضل کے قتل سے۔ با ایں ہمہ۔ کوئی خوف
 یا خیال، جہانگیر کو نہ روک سکا اور علی قلی کے خاتمہ کے لئے جس کی
 لاش پر چار آنسو بہانے والے شاید کہ یہ پر بھی میسر نہ آئے۔

عتاب البر کا احتمال مانع ہوا! اس کے جواب میں ایک بحث یہ
 پیدا کی جاسکتی ہے کہ ابو الفضل کا قتل امیر مملکت سے تعلق رکھتا
 تھا اور ایک پولیٹیکل چیز تھی، برخلاف اس کے، علی قلی کا معاملہ

محض ذاتی رقابت پر مبنی تھا: گویا اگر علی قلی قتل کر دیا جاتا تو بھگیا
نسبتاً بد طینت اور رکیک ان خیال سمجھا جاتا، اور اسی بدنامی کی وجہ سے
وہ ایسی جرات نہ کر سکا! لیکن واقعات اس کج بجشی کے بھی
خلاف ہیں: اُسی زمانہ میں جہانگیر کا منظور نظر امر دایک واقعہ نکلا۔
کے ساتھ دکن کی طرف بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور جہانگیر ان کو پکڑوا کر
دونوں کی کھال اپنے سامنے برسرِ دربار کچھالیتا ہے اور بدنامی
وانگشت نمائی کا خیال اُسے مطلق پیدا نہیں ہوتا! اب عقل کام
نہیں کرتی کہ ایسے زمانہ میں جہانگیر جیسے مزاج کا شخص۔ اکبر کے
مقابلہ پر استینیں چڑھا لیتا ہے، علامی ابو الفضل کو چشم زدن
میں قتل کر دیتا ہے، اپنے امر کی اور اس کو لے بھاگنے والے کی
کھال کچھو لیتا ہے، اور ان تمام باتوں میں کوئی خوف، خیال، یا
دوسو اس اُس کو اپنے ارادہ اور آتش انتقام کی شعلہ فشانی سے
باز نہیں رکھ سکتا۔ لیکن تعجب اور سخت تعجب ہے کہ اُسی زمانہ میں
وہ علی قلی استاجلو کی بغل میں اپنی محبوبہ کو پاتا ہے، آتشِ رقیبت
سے سلگتا رہتا ہے اور دم نہیں مارتا، اُٹ نہیں کرتا! علی قلی سے

نمبر ۱۶۔ کل واقعات منتخب اللباب خانی خاں میں بالتفصیل ملاحظہ ہوں۔ جلد اول

نظر بگاڑنا تو کجا، اُس کو جاگیر معقول عطا کرتا ہے اور شیر انگن خاں کا خطاب عطا کرتا ہے! فی الحقیقت۔ ٹھنڈے دل سے عزیز کیا جائے تو۔ صاف معلوم ہوگا کہ جہانگیر کے دل میں کوئی رقابت کا خیال اس وقت نہ تھا، اور نہ مہر النساء کی محبت اُس وقت موجود تھی، ورنہ علی قلی کا خاتمہ نہایت خاموشی اور بدرجہا آسانی کے ساتھ، کرا دیا جاتا اور مہر النساء کو اپنے قبضہ میں کر لیا جاتا! جہانگیر کو جو محبت مہر النساء سے پیدا ہوئی تھی، وہ علی قلی کی شادی کے ساتھ، آغاہی میں ختم ہو چکی تھی اور اُس کا کوئی ایسا گہرا نقش جس سے رقابت پیدا ہوئی جہانگیر کے دل میں مطلق نہ تھا!

اس محبت پوشیدہ سے کنارہ کر کے علی قلی کی روش ملاحظہ ہو! جہانگیر کی خدمت میں ہونے، اور جہانگیر سے ہی خطاب و جاگیر پلنے پر بھی پہلی ہی مرتبہ اُس نے نمک حرامی اور دغا بازی کا اظہار کیا! جہانگیر کو دغا دیکر۔ رکابی مذہب امرار کی طرح۔ اکبر سے جاملے اور حق نمک کا یا استقلال و پامردی کا، احساس اُسے بالکل نہیں ہوا! نور جہاں کو رشاک شیریں ویلے بنانے والے افسانہ نگار اسپر بھی یہ فرمایا کہ جہانگیر علی قلی سے رقابت کی وجہ سے جلتا تھا تو واقعہ کے کس قدر خلاف ہوگا؟ ولیعہدی کے زمانہ میں

جہانگیر نے کسی نہ سمجھ میں آنے والی وجہ سے مجبور ہو کر علی قلی کو ہاتھ نہیں لگایا تو آگے چل کر جب وہ تختِ ہندوستان پر جلوہ افروز ہوا اور تمام سلطنت خود مختار کے سیاہ و سفید کا بلا شرکتِ غیرے مالک و قابض ہوا، تو کونسا خیال اُس کو روک سکا اور باز رکھ سکا؟ شیر افغن پہلے سے ہی دغا دیکر اور ساتھ چھوڑ کر جہانگیر کی نظر میں باغی و مجرم قرار پا چکا تھا۔ ایسی صورت میں کسی حیلہ ڈھونڈھنے کی بھی حاجت نہ تھی۔ اگر جہانگیر کو کچھ بھی رقابت کا خیال ستاتا ہوتا تو شیر افغن دغا و بغاوت کے الزام میں آسانی سے نیست و نابود کر دیا جاتا اور عشق و محبت کا بظاہر نام بھی نہ آتا! لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ جہانگیر نے اپنے مخالفین کی پوری تعداد کو جنہوں نے خسرو کا ساتھ دیا تھا چُن چُن کر پھانسی پر لٹکایا، مگر شیر افغن کے اگلے پچھلے قصور اب بھی معاف کئے اور برودوان کی حکومت عطا فرما کر غرت و طاقت میں اضافہ کیا! یہ واقعہ آتشِ رقابت کی سن گھڑت پر اور پانی پھیرے دیتا ہے!

برودوان کی حکومت پاتے ہی شیر افغن ظلم و جور شروع کر دیتا ہے۔ شکایات دو برس تک متواتر جہانگیر کے گوشِ زد ہوتی رہتی ہیں اور آخر جہانگیر کو اُس کے اسناد کے لئے متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ اقطاب الدین

اُسی زمانہ میں بنگالہ کے واسرائے مقرر ہوتے ہیں اور ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ شیر افگن کو راہِ راست پر پائیں تو تعرض نہ کریں ورنہ بارگاہِ عالی کو روانہ کر دیں! اس حکم کو خدا جانے کن الفاظ میں اور کس حاشیہ کے ساتھ، شیر افگن کا وکیل ان کو لکھ مارتا ہے! شیر افگن اپنے وکیل کی تحریر پر ایمان لا کر ایسے چراغ پا ہوتے ہیں کہ شاہی ملازمت کو شاہی واقعہ نگار کے منہ پر کھینچ مارتے ہیں اور ”الٹی میٹیم“ دیدیتے ہیں کہ ”میں آج سے شاہی ملازم نہیں ہوں“ ترکِ ملازمت کا اعلان زبان سے تو فرما دیتے ہیں لیکن عملی طور پر بردوان کی حکومت کا لقمہ تر بہا برنگلتے رہتے ہیں! قطب الدین خلیل بنگالہ پہنچ کر آپ کو کہتے ہیں تو آپ نہیں سنتے، بلاتے ہیں تو آپ نہیں آتے، اور اچھے خاصے بردوان کے خدائی فوجدار بجاتے ہیں! مجبور ہو کر قطب الدین خاں آپ کی جاگیر میں خود حاضر ہوتے ہیں اور پیغامِ ملاقات بھیجتے ہیں! ملاقات کو جالے ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ رخصت کے وقت فرماتی ہیں کہ ”بوتم پیش اناں کہ ماویہ تو گریہ کند، مادر اور ابہ گریہ آ رہا“، قتل کا حکم نہ تھا، پھانسی

کا فرمان نہ تھا، پھر ایسے ارادہ کے کیا معنی ؟

بہر حال، یہ خیال لئے ہوئے آپ ملنے جاتے ہیں تو بکتر و نیچہ، نیمہ آستین میں چھپا کر جاتے ہیں ! ملاقات کے وقت قطب الدین خاں کو باتوں میں لگا کر ہمراہیان سے دور لیجاتے ہیں، لیجاتے ہیں اور موقعہ پا کر وہ نیچہ۔ جس کو آپ نہایت شجاعت کے ساتھ نیمہ آستین میں چھپا کر لائے تھے۔ قطب الدین خاں کے پیٹ پر مارتے ہیں ! اس کے ساتھ ہی ہمراہیان قطب الدین خاں آپ پر گرتے ہیں اور آپ کا خاتمہ ہو جاتا ہے ! یہ ہیں وہ واقعات جن کی بدولت جہانگیر مجرم اور قطب الدین خاں جاں نثار مجرم کئے جاتے ہیں !

اسی واقعہ کے بدولت مہر النساء خاتم پیوہ ہو کر دہلی پہنچتی ہیں، اور عرصہ تک معنوب رہ کر جہانگیر کی محبتِ زائل شدہ کو رومال کا ٹھہکا ٹھہکا کر۔ یادِ ماضی کو تازہ کرتے ہوئے۔ از سر نو زندہ کر لیتی ہیں اور نور محل بلکہ نور جہاں بیگم بجاتی ہیں ! مورخین اسی وجہ سے درمیانی مدت میں بھی جہانگیر کو مبتلائے عشقِ نور جہاں فرض کر لیتے ہیں اور شیر افکن کے قتل کو بھی اُسی عینک سے دیکھ لیتے ہیں ! سچ یہ ہو کہ اُس دورِ شخصی میں کوئی اور سردار نہ تھا، اور شیر افکن کی طرح شورش پر کمربند تھا تو اُس کا حشر بھی وہی ہوتا جو شیر افکن کا ہوا ! سینکڑوں

امراء و سردار بغاوت و شورش کے جرم میں قتل کر دئے گئے اور
 کر دئے جاتے تھے حالانکہ اُن سے اور شاہ وقت سے کسی رقبہ
 و محبت کا تعلق نہ ہوتا تھا! شیر افغن چونکہ نور جہاں کا شوہر تھا اور
 نور جہاں اس کے قتل کے بعد نور جہاں بنی اس لئے شیر افغن کے
 قتل کو جو محض اُس کی اپنی حرکات کا نتیجہ تھا۔ مورخین نا فہم نے
 اُسی محبت کے سانچے میں ڈھال دیا! واقعات بتاتے ہیں کہ
 جہانگیر کو شیر افغن سے کبھی رقابت نہ تھی، نہ ہونی! جہانگیر ہی نے
 اس کو علی قلی استاجلو سفرچی سے شیر افغن خاں بنایا: جہانگیر ہی نے
 اس کو بردوان کی حکومت کی عزت بخشی: اور جہانگیر ہی کے ساتھ
 ہمیشہ۔ و بے حدی کے عالم میں بھی اور بادشاہت کے زمانہ میں
 بھی۔ شیر افغن دغا، نمک حرامی اور شورش کا اظہار کرتا رہا! آخر
 وقت میں بھی قطب الدین خاں اُسے سمجھا کر بارگاہِ عالی میں روانہ
 کرنے گئے تھے نہ کہ قتل کرنے: اُس کی پیشدستی خود اُس کے
 قتل کا باعث ہوئی اور اول سے آخر تک یہ قتل کسی طرح جہانگیر
 کی محبت سے متعلق نظر نہیں آتا!

چند قطب الدین خاں شیخ خیلو۔ پر کسی طرح کوئی الزام نہیں لگایا
 جاسکتا! اس سے کسی کو انحراف نہیں ہو سکتا کہ قطب الدین خاں

اپنے ولی نعمت شاہنشاہ - یا اپنے عزیز بھائی - کے حکم کی تعمیل
میں آخروم تک پہنچے، مستقل مزاج، اور جاں نثار ثابت ہوئے!
یہ نامور جاں نثار - والسراے بنگالہ - ۳۰ - صفر ۱۲۱۶ھ کو اس دار
ناپائدار سے سدھارے، اور اُن کے پس ماندگان نے اُن کی
دیکھنے کی بجائے - واپس آنے والے کشور خاں سے - ان کے
وفات کی خبر سنی! انا للہ وانا الیہ راجعون!!

شیخ فریدکم وپیش آٹھ سال کے تھے کہ یتیم ہو گئے: اس خبر سے پُر مُردہ
ہو جانے کے قابل سمجھ اُن میں ضرورت تھی، مگر مستقل اندیشی سے
ابھی وہ ناواقف تھے! قسمتِ ہمہ داں، خاموشی کے عالم میں
اُن کے یاسِ ناپھرہ کو دیکھتی اور کہتی :-

”صبر کر! اے ناسمجھ معصوم صبر کر! مجھے اُس راستہ کی بنیاد ڈالنی
ہے جس پر ہوشِ سنبھال کر تجھے قدم زن ہونا، اور یتیم سے دُرِ یتیم بننا
ہے!“

(۴) نشو و نما

عدم سے وجود میں آنے والا ہر بچہ، نہ خاص عادات اپنے ساتھ لاتا ہے، نہ خاص زبانِ حیوانیت کا مکمل و بہترین نمونہ ہوتا ہے، اور بس! اس کے بعد جو کچھ پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا جاتا ہے، وہ محض حالتِ گرد و پیش کا اثر یا انسانِ نگران کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ پیدائش سے شباب تک کا زمانہ مختلف دماغی و جسمانی قوتوں کے وجود میں آنے اور مکمل ہونے کے باقاعدہ حصوں پر منقسم ہے۔ بہر قوت و طاقت ایک خاص عمر میں پیدا ہوتی ہے اور ایک خاص عمر تک اس کی ترقی و تکمیل منحصر ہے: اسی زمانہ میں اگر عمدہ اصولوں پر بچہ کی پیدا ہونے والی طاقتوں کو سدھارا جائے تو ان کی اصلاح اور حسبِ مرضی تکمیل ممکن ہے، ورنہ آگے چلکر کوئی تبدیلی یا اندازہ قریب قریب ناممکن سمجھا جاتا ہے! یہ ہی بیش بہا زمانہ کل زندگی کی بنیاد اور مدتِ العمر کی عادات کا ذمہ دار مانا جاتا ہے! اسی وجہ سے دینا نے ہمیشہ اسی زمانے کو تربیت و تعلیم کے

لئے مخصوص رکھا!

تعلیم و تربیت ہر زمانہ کی تہذیب و طرز معاشرت کی پابند رہی ہے! جس زمانہ کو شیخ فرید کی تعلیم و تربیت سے تعلق ہے، یہ وہ زمانہ تھا جس میں تعلیم نوشت و خواند اور تعلیم اطوار و افعال جداگانہ مکتبوں اور علیحدہ علیحدہ اوقات میں نہیں دی جاتی تھی! اُس زمانہ کا اُستاد یا اتالیق تعلیم تحریر و تقریر کے ساتھ ہی تعلیم علوم و فنون مروجہ کا بھی ذمہ دار ہوتا تھا! اتالیق زمانہ حال کے ٹیوٹوریل سسٹم کا نقشِ اولین۔ بلکہ مثالِ عمدہ۔ سمجھا جاسکتا ہے! اُس زمانہ کے اُستاد یا اتالیق کا نام معلوم ہو جانے سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت کس مذاق اور کس پایہ کی ہونی ہوگی؟ آٹھ برس کی عمر تک شیخ فرید کو جو کچھ تعلیم دی گئی وہ زمانہ و تدبیر کی درسی۔ مکتب والی تعلیم تھی جو وہ اپنے وطن بدایوں میں حاصل کرتے رہے! فی الحقیقت اس زمانہ میں آٹھ برس کی عمر تک مذہبی ابتدائی تعلیم اور نشست و برخاست کے آداب سے زیادہ اور کسی خاص مذاق تعلیم کی بنیاد نہیں ڈالی جاتی تھی: قطب الدین خاں کے قتل کے وقت تک شیخ فرید کی تعلیم محض ابتدائی اور چاشنی علوم و فنون سے خالی تھی۔ اس لئے اُس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی!

البتہ یتیم ہونے ہی تعلیم و تربیت میں ایک غیر معمولی اور قابل لحاظ انقلاب پیدا ہو گیا! نواب مرحوم کے دو صغیر سن لڑکے۔ شیخ فتح الدین اور شیخ فرید الدین۔ جو یتیم ہو گئے تھے توجہ و عنایات شاہی کے مورد ہوئے : جہانگیر کا بیان ہے کہ قطب الدین خاں کے قتل سے اُس کو۔ اکبر عرش آشیانی کے انتقال اور بی بی خدیجہ کی وفات کے بعد۔ تیسری مرتبہ قلبی صدمہ ہوا تھا، ایسی صورت میں مرحوم کی اولاد پر جس قدر توجہ شاہانہ مبذول ہوئی ہو تعجب خیز نہیں !

اس سانحہ کے بعد ہی شیخ فتح الدین و شیخ فرید دونوں قلم شاہی میں بلا لے گئے اور محلات شاہی میں ان کی تربیت و تعلیم کا زمانہ گزرا۔ سالہ سے سالہ مدت تک۔ قریب قریب پانچ سال تک۔ فتح الدین و فرید دونوں محلات میں اساتذہ شاہی کے سامنے زبانوں ادب تہ کرتے رہے، اور ان کے بڑے بھائی شیخ ابراہیم کشور خاں مشغول خدمات سلطنت رہے ! اس پانچ سال کے عرصہ کی تعلیم کا بھی مفصل حال نہیں ملتا اور نہیں بتایا جاسکتا

نمبر ۱۔ ملاحظہ ہو تو زک جہانگیری۔ سال دوم جلوس۔ ذکر قتل قطب الدین خاں !
نمبر ۲۔ خاندانی قلمی تراویح میں اس زمانہ کا حال مفصل درج ہے !

کہ شیخ فرید کے استاد اس زمانہ کے اساتذہ شاہی میں سے کون
 بزرگ تھے؟ نہایت مجمل طور پر صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ شیخ
 فرید اسی عرصہ میں قلعہ کے اندر عنایات شاہی کی بدولت شاہی
 مکتب میں تخیلِ علومِ مروجہ میں مشغول رہے! مسئلہ سے تعلیم و
 تعلّم کے رنگ میں ایک اور انقلاب ہوا اور سچ یہ ہے کہ یہ آخری
 انقلاب ہی وہ چیز تھا جس نے شیخ فرید کو رموزِ مملکت اور رنگِ
 خدماتِ تاج و تخت سے پوری طور پر واقف کر دیا! اس انقلاب
 کے بیان کرنے سے پیشتر اس کی مجمل و مختصر وجہ ظاہر کر دینی دلچسپی سے
 خالی۔ اور اصل مطلب سے غیر متعلق۔ نہ ہوگی! مہر النساءِ خانم کو
 خدا جانے کس قدر افسوس اور حیرت ہوئی ہوگی جب بددعا کے
 واپس آتے ہی معتبوب ہو کر، وہ سلیمہ بیگم کی لونڈی بنادی گئیں اور
 محض نواب قطب الدین خاں کے دعوائے خون کے عیوض میں
 چار پانچ سال معتبوب شاہی رہیں! مسئلہ میں خدا خدا کر کے
 وہ نور محل بنیں اور رفتہ رفتہ نور جہاں کا لقب حاصل کر کے سکے
 پر ہی نہیں، بلکہ علیٰ طور پر۔ پس پردہ۔ تمام سلطنت پر سکے جا بیٹھیں!
 اس کے بعد سے ہر حکم میں اکثر نور جہاں کی زبان جہانگیر کے مُنہ میں
 بولتی نظر آتی تھی! پانچ سال کے عرصہ میں شیخ فرید کے بڑے

بھائی کشور خاں قلعہ رہتاس کے عامل اور مختلف عنایات شاہی کے موردِ بن چکے تھے: سالِ پنجم جلوسِ جہانگیری میں انتخابِ اضافہ ہو کر ”دو ہزاری ذات و سوار“ قرار پایا تھا، طویلۂ خاص کا عراقی گھوڑا، خلعتِ خاص، اور فیلِ خاصہ۔ بختِ حبیب نامی۔ عنایت ہوا تھا اور ملک اوجھ کے سرکشوں کی تہیہ کے لئے نامزد ہوئے تھے! ان کے ساتھ ہی علامہ الدین اسلام خاں۔ جو شیخِ فرید کے چچا تھے۔ ”پنج ہزاری“ منصب کے ساتھ گورنرِ بنگالہ مقرر ہوئے تھے اور اس درجہ تک ترقی کر گئے کہ حمام و جھروکہ کی رسوم۔ جو محض بادشاہوں کے لئے مخصوص تھیں۔ ادا کرنے لگے تھے!

اسلام خاں اس خاندان میں اُس وقت سب سے زیادہ سرگورہ تھے اور انہوں نے شیخ زادوں کا ایک بڑا لشکر جس کی جمعیت بیس ہزار کی تھی۔ مرتب کیا تھا! نور جہاں یہ بھی جانتی تھی کہ جہانگیری کے دل میں قطب الدین خاں کی محبت اور دماغ میں حضرت سلیم

نمبر۔ توڑک جہانگیری۔ سال سوم جلوس! نمبر ۴۔ سال پنجم جلوس توڑک جہانگیری! نمبر ۵۔ نواب قطب الدین خاں کے انتقال پر اول جہانگیری خاں جس کا نام لالہ بیگ یا لعل بیگ تھا۔ گورنرِ بنگالہ مقرر ہوا اور اس کے انتقال پر اسلام خاں کو یہ عزت ملی! (ملاحظہ ہو جہانگیر نامہ صفحہ ۲۵ و ۳۴ و ماثر الامرا کے تیموری جلد اول صفحہ ۱۱۸)

نمبر ۶۔ ماثر الامرا کے تیموری جلد اول صفحہ ۱۱۸!

چشتی کا اقتدار برابر باقی تھا، اور یہ بھی دیکھتی تھی کہ اس خاندان کی طاقت و عزت کھلم کھلا مقابلہ سے پامال نہیں کیجا سکتی اس لئے اس نے یہ فطرت چلی کہ اسلام خاں کو ان کی پوری طاقت کے ساتھ بنگالہ کے مشہور خود سر عثمان خاں افغان کے مقابلہ کے لئے تعینات کیا! یہ وہ عثمان خاں تھا جو اکبر کے زمانہ میں راجہ مان سنگھ کی متواتر لشکر کشی پر بھی رام نہ ہو سکا تھا اور راجہ کو ہر مرتبہ بے نیل و مرام ہی واپس آنا پڑا تھا! اسلام خاں حکم شاہی کی تعمیل میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ عثمان خاں کے مقابلہ کو گئے؛ شیخ زادوں کے لشکر نے پٹھانوں کے مقابلہ میں جیسی شجاعت بے مثل اور جاں بازی بے نظیر کا اظہار کیا اُس کی داستان رستم و اسفندیار

نمبر ۱۔ بنگالہ کا ملک اقلیم دوم کا ملک تھا؛ چاٹ گام سے کہی تک اُس کا طول اور کوہستان شمالی سے سرکار بدایوں تک اس کا عرض تھا! زمانہ سابق میں وہاں کے حکام میں نہار سوار، ایک لاکھ پیدل، ایک نہار ہاتھی، چار ہانچ نہار کشتیاں، اور محمول توپ خانہ و آلات حرب رکھتے تھے؛ شیر خاں سلیم خاں کے زمانہ سے یہ ملک پٹھانوں کے تصرف میں چلا آتا تھا؛ اکبر کے زمانہ میں اکثر حصہ فتح ہو گیا تھا لیکن عثمان خاں پٹھان جو سب سے زیادہ طاقتور اور سرکش تھا زیر نہ ہو سکا تھا۔

(ملاحظہ ہو جہانگیر نامہ صفحہ ۵۹) !

کے فرضی فضوں پر پانی پھیر دیتی ہے: توڑک جمانگیری، جمانگیرا،
 مانڑا لامرے تیموری، قریب قریب تمام مستند تواریخ اس محرکہ
 کی مفصل کیفیت اور شیخ زادوں کی بے مثال شجاعت و جوانمردی
 کے واقعات سے لبریز ہیں! کثیر خاں اور شیخ کبیر جو شجاعت کا
 بن چکے۔ اسلام خاں کی لٹاک پر متعین ہوئے تھے اور شریاک
 پیکار رہے تھے: شجاعت خاں کی ذاتی دلیری نے ان کا نام
 ہمیشہ کے لئے رستم زماں خاں کے خطاب سے صفیہ روزگار پر
 لکھ دیا اور میدان آخر کار اسلام خاں کے ہاتھ رہا عثمان خاں
 قتل ہوا، بنگالہ کی فتح مکمل ہوئی؛ لیکن شیخ زادوں کی بہت بڑی
 جماعت تخت و تاج کے لئے فدا ہو گئی! شیخ فرید کے بڑے بھائی
 شیخ ابراہیم کشور خاں جو سردار جبار غار ہونے کی وجہ سے
 یمین کی فوج میں تھے آخر وقت تک بہادری کے ساتھ سینہ سپر
 رہ کر، شہید ہوئے! اسلام خاں کوشش ہزاری کا منصب اعلیٰ
 عنایت ہوا اور تمام خاندان پر عنایت خسروانہ مبذول ہوئی،
 لیکن اس وقت تک نور جہاں کی چالاکی کا گمان کسی کے دل میں

پیدا نہیں ہوا! اُسی سُال میں جب شیخ فتح الدین کا دفعتاً انتقال ہوا اور مرگِ مفاجات کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ ان کو محلِ شاہی میں زہر دیا گیا تو بیشک نور جہاں کی چال کم از کم اس خاندان کو نظر آنے لگی!

عجب ہے کہ نور جہاں نے کشورِ خاں کو اُدھر ختم کرا دیا اور فتح الدین کو اُدھر مار ڈالا، لیکن فرید کو کیوں چھوڑ دیا اور یہ کس طرح بچ گئے! جو کچھ بھی ہوا ایسے واقعات جن میں ”ہر فرعون نے راموسے“ والی ہستی، عجیب حیرت انگیز طریقہ سے بچ جاتی ہو، کم نہیں ہیں! شیخ فرید کے خاندان نے جہانگیر کے کان تک اس شکایت کو پہنچایا ہو یا نہ پہنچایا ہو، اُن کی واپسی کی درخواست ضرور کی ہو! افسوس ہے کہ ان واقعات پر پردہ پڑا ہوا نظر آتا ہے ورنہ معلوم ہو جاتا کہ اس درخواست پر کیا حکم ہوا اور کیوں ہوا؟ بہر حال جہانگیر نے شیخ فرید کو وطن واپس جانے کی تو اجازت نہیں دی البتہ محلاتِ شاہی اور نور جہاں بیگم کے اثر سے نکال کر اعما د خاں - نور جہاں کے بھائی - کے زیر نگرانی رہنے کا حکم دیا!

نمبر ۹ - زہر دئے جانے کا حال خاندانی قلمی تواریخ میں درج ہے!

نمبر ۱۰ - ماخوذ از تواریخ قلمی خاندانی!

گو یا اس طرح اور ان وجوہات پر ۱۲۰ سالہ سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جبکہ فرید - ۱۳ سال کی عمر میں - اعتماد خاں کی اتالیقی میں دیدئے گئے !

۱۲۰ سالہ سے ۱۲۰ سالہ تک - کم و بیش ۴۰ سال شیخ فرید اعتماد خاں - نوربہاں کے حقیقی بھائی - کی نگرانی و اتالیقی میں اُس زمانہ کے علوم و فنون مروجہ کی تحصیل میں منہمک رہے ! ۱۳ برس کی عمر سے ۲۰ سال کی عمر تک کا زمانہ ہی رجحانِ طبع ، مذاقِ علوم ، اور مہارتِ فنون کے لئے بہترین زمانہ تھا اور یہ ہی حصہ عمر اعتماد خاں جیسے بے بدل مدبر اور بے نظیر وزیر کی صحبت و نگرانی میں گزرا۔ اس کے علاوہ زمانہ زیر بحث ایسا معنی خیز اور سبق معمور زمانہ تھا جس میں تختِ ہندوستان کی تقدیر مستقبل کی بنیاد پڑی چالاکی اور خوش اسلوبی کے ساتھ قلعہ کے حدود کے اندر ڈالی جا رہی تھی ! اسی زمانہ میں شاہزادہ خرم نے اعتماد الدولہ کی لڑکی سے - جو آگے چل کر ممتاز محل اور تاج محل بننے والی تھی - شادی کر لی تھی اور اس طرح اعتماد خاں کو ہمیشہ کے لئے ، اور نوربہاں کو شروع شروع میں اپنا بنالیا تھا : اسی زمانہ میں سرٹامس روجیمز شاہ انگلستان کے سفیر - دربارِ جہانگیری میں تشریف لائے تھے اور معاہدہ کی

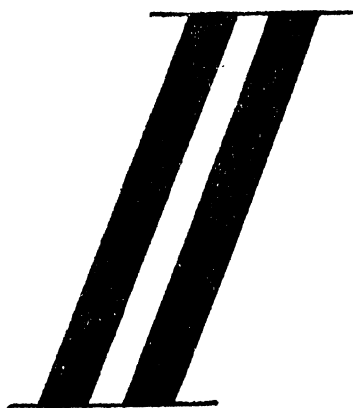
دقیق شرائط کا مسودہ بنا کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے۔ نہایت
 بیدار مغز می اور چالاکی کے ساتھ۔ مستقبل خوشگوار کی بنیاد ڈالنا چاہتے
 تھے: اسی زمانہ میں اعتماد خاں کو اپنی ملکی خدمات اور مدبرانہ حکمت
 عملی کے بدولت آصف خاں کا خطاب ملا تھا! ایسے سبق وہ زمانہ
 میں نلکھ شاہی کی سکونت، سلطنت کی مشین کو چلانے والی اسٹیم
 کا مشاہدہ؛ ملک گیری و ملک داری کی شطرنج اور اُس کی دقیق
 چالوں کا محاسبہ؛ اور یہ سب کچھ آصف خاں جیسے بیدار مغز مدبر
 کی اتالیقی میں؛ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس صحبت، اس زمانہ، اس
 نگرانی، اور اُس حالت نے شیخ فرید میں کیسی ٹھوس لیاقت
 اور مذاق سلیم پیدا کر دیا ہوگا اور ملکی معاملات کے سمجھنے، اور حکومت
 کی مشین کے چلانے، کو وہ کس درجہ سمجھ گئے ہونگے! شیخ فریدی کی عمر
 کا وہ بیش بہا حصہ، جس میں انسان کی جسمانی و دماغی طاقتوں کا
 ایک صورتِ مستقل قبول کر لینا اور تکمیل کو پہنچ جانا ناگزیر ہے،
 ایسی صحبتِ اعلیٰ اور تربیتِ بے نظیر میں گذر کہ عام طور پر اُس
 زمانہ میں ایسے گرد و پیش کا جمع ہو جانا محال تھا! اسی زمانہ کی تعلیم
 و تربیت نے اُن کی طبیعت میں بلند پروازی اور معاملہ فہمی کی پختگی
 نہایت جہنی کے ساتھ پیدا کر دی! اسی زمانہ کی نشوونما کا پہلا اثر

یہ تھا کہ انھوں نے آصف خاں کی دوسری لڑکی - تاج محل کی بہن -
شہزادہ پرور خانم سے شادی کر لی !

نواب قطب الدین خاں کا تمغیل حکم شاہی میں کام آنا، یتیم پوہ شیخ
فرید کا محلات شاہی میں بکالیا جانا، نور جہاں کی چالاکی کے بدولت -
”عدو شود سبب خیر“ خدا خواہد، کے مصداق آصف خاں کی
انالیقی میں ہوش سنبھالنا، اور آخر میں آصف خاں کا داماد اور
شاہزادہ خرم کا ہم زلف بن جانا، یہ تمام امور قسمت کے کرشمے تھے جو
فی الحقیقت مستقبل کامیاب کی بنیاد - رفتہ رفتہ، اور آہستہ آہستہ -
رکھتی جا رہے تھے۔

نمبر ۱۱ - بعض نسخوں میں یہ نام شاہ پرویز خانم درج ہے ! آصف خاں کی انالیقی
اور شیخ فرید کی شادی کا حال قلمی تواریخ سے ماخوذ ہے جو خاندان شیخو لوہ کے
قبضہ میں ہیں اور غیر مطبوعہ ہیں !

۷۳



47

دو بہانگیری کی خدمات

دو بہانگیری کا بہت بڑا حصہ شیخ فرید کی تعلیم حاصل کرنے اور نشوونما پانے میں گزر چکا تھا! اور نواب قطب الدین خاں کے انتقال کے بعد سے سرکار بدایوں کی نظامت برابر خالی تھی، کیونکہ کسی تاریخ میں قطب الدین خاں مرحوم کی نظامت سرکار بدایوں کے بعد سے نواب فرید کے زمانہ خدمت تک، کسی اشخاص کا ناظم بدایوں مقرر ہونا نہیں پایا جاتا! شیخ فریدؒ ۱۲۸۰ھ سے ۱۳۰۲ھ تک - قریب قریب دو سال بحقیل علوم فنون کے بعد چھوٹی چھوٹی خدمات میں حصہ لیتے رہے، اور آصف خاں کی نگاہ کے سامنے تجربہ حاصل کرتے رہے ہونگے! ان خدمات کا علیحدہ طور پر ذکر کسی مورخ نے نہیں کیا ہے مگر عقل سلیم قلمی تواریخ کی تحریر کو ضرور صحیح سمجھے گی جب اُس کو معلوم ہوگا کہ ۲۲ سال کی عمر میں شیخ فرید سرکار بدایوں کے ناظم مقرر ہوئے!

آصف خاں کے اثر کی وجہ سمجھی

نظامتِ بدایوں جائے یا خود نواب قطب الدین خاں

مرحوم کی جاں نثاری کے سبب سے۔ جو کچھ بھی ہو۔ مسئلہ

میں شیخ فرید سرکار بدایوں کے ناظم مقرر ہوئے!

یہ سمجھ لینا کہ شیخ فرید یک لخت سرکار بدایوں کے ناظم مقرر کر دئے

گئے ہونگے، عقل کے خلاف نظر آتا ہے۔ سرکار بدایوں اُس

زمانہ میں صوبہ دہلی کی ایک سرکار تھی اور اُس میں۔ بموجب آئین

اکبری۔ ۳۱ محال تھے، جن کا بہت بڑا حصہ اب بریلی، پٹی پٹہ،

شاہجہان پور، اور ایٹہ کے اضلاع میں چلا گیا ہے! محالات۔

حویلی بدایوں، سہسوان، کوٹ سالبہا، ساہنہ، ستاسی،

گنور، مجھولا، وغیرہ کا مفصل حال گزیر بدایوں میں مل سکتا ہے؛

بہرا۔ شیخ فرید کا آخر دور جہانگیری میں ناظم بدایوں مقرر ہونا گزیر میں صاف
طور پر درج ہے البتہ ٹھیک مدت کا حال اس میں اس میں نہیں مل سکا اس
لئے تقریر کا سنہ اور مدت نظامتِ قلمی تواریخ سے لی گئی! ملاحظہ ہو

*Discriptive and Historical account of the N.W.P.
by H.C. Conbeares and Edwin T. Atkinson.*

Vol 5, PP 104.

مختصر یہ کہ۔ سرکار بدایوں کا رقبہ۔ صرف مزرعہ۔ نو لاکھ گیارہ ہزار
ایکڑ تھا اور مالگزار می کم و بیش تین لاکھ چونتیس ہزار تھی؛ ہر محال کی
جیثیت کے موافق فوج کی تعداد معین تھی جو اس محال کے حاکم کے
پاس رہتی تھی۔ مثلاً حویلی بدایوں کے لئے پچاس سوار اور پانچ ہزار
پیدل، سہسوان کے لئے ست سو سوار اور دو ہزار پیدل، کوٹ کے لئے
پچاس سوار اور پانچ سو پیدل، اور ستاسی کے لئے بھی پچاس سوار
اور پانچ سو پیدل مقرر تھے!

سرکار بدایوں ایک بڑی سرکار تھی اور اس کی نظامت کا
عہدہ ایسی معمولی چیز نہ تھا کہ کسی نوآموز کو دیدیا جاتا؛ شیخ فرید
نے ۲۱ھ سے دو سال تک اور خدمات میں حصہ لیکر اپنی
قابلیت کا اظہار ضرور کیا ہوگا اور اسی وجہ سے ۲۲ سال ہی کی
عمر میں ۲۳ھ میں سرکار بدایوں کی نظامت ان کو تفویض
ہوئی ہوگی!

شیخ فرید ۲۳ھ سے ۱۰۳۵ھ تک ناظم سرکار بدایوں رہا؛

اس پانچ سال کے عرصہ میں کوئی فساد یا بد امنی سرکار بدایوں کے کسی محال میں پیدا نہیں ہوئی! کوئی عالمگیر فحط، مصیبت، افلاس، یا ظلم بھی اس عرصہ میں نہیں ہوا۔ گویا شیخ فرید کا زمانہ نظامت، سرکار بدایوں کا نہایت پُر امن اور خاموش زمانہ تھا! شیخ فرید ^{۱۳۵۱ھ} ۱۹۲۲ء میں نظامت سے سبکدوش ہوئے کیونکہ ^{۱۹۲۸} ۱۹۲۸ء میں صرف ایک سال سلطان علی قلی خاں ناظم بدایوں رہا! مطبوعہ کتب توارخ شیخ فرید کی علیحدگی کے معاملہ میں قطعی ساکت ہیں لہٰذا قلمی تواریخ میں اس سبکدوشی کی وجہ بھی نور جہاں کی ریشہ دوانی ظاہر کی گئی ہو!

نور جہاں اولاد قطب الدین خاں سے پہلے سے ہی حسد کھتی تھی، آگے چلکر شیخ فرید کی شادی نے اُس عناد پر اور سونے پر سہاگہ، کا کام کیا! تخت ہندوستان نور جہاں اور آصف خاں میں اپنے اپنے داماد کے لئے مابہ النزاع تھا! شیخ فرید بھی آصف خاں کے داماد بنکر اُسی گروہ میں شامل ہو چکے تھے اور کوئی تعجب نہیں کہ نور جہاں کی ریشہ دوانی ان کی سبکدوشی کا باعث ہوئی ہو!

شیخ فرید کے زمانہ نظامت کے
 بنائے شیخ پور اختتام کے قریب ایک اور واقعہ
 قابل تذکرہ نظر آتا ہے۔ شیخ فرید کے مورث جب سے فاتحانہ
 طور پر بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے تھے، عام آبادی سے
 علیحدہ ایک قلعہ میں رہتے تھے! شیخ فرید اور ان کے مورثوں
 کے ساتھ اہل بدایوں کا رنگ اچھا نہ ہو، یا خود اپنی خاندانی خصوصیات
 کو قیام رکھنے کی غرض سے، بہر حال کسی نہ کسی وجہ سے شیخ فرید
 نے بدایوں کی عام آبادی کے ساتھ دوش بدوش رہ کر مخلوط ہو جانا
 پسند نہیں کیا اور شہر میں جہانگیر سے زمین کے لئے درخواست
 کی! اس درخواست پر زمین عطا ہوئی اور جس فرمان کے ساتھ
 عطا ہوئی اس کی نقل بحسنہ حسب ذیل ہے:-

”از عرضداشتِ نتیجہ الامر العظام، سلاۃ الامام
 الزمام، شایستہ تربیتِ خسروانہ، سزاوارِ عظمت
 بادشاہانہ، شیخ فرید معلوم گشتہ کہ قلعہ بدایوں

نمبر ۴۔ اس فرمان جہانگیری کی لفظ بہ لفظ نقل قلمی کتب خاندانی سے کی گئی ہے۔ ان
 میں لکھا ہے کہ اصل فرمان مرہٹوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت کے زمانہ میں
 تلف ہو گیا!

۸۰

گزاشته جائے دیگر وطنِ خود ساز و بنا بر
 ملتس، حکم جہاں مطاع، آفتاب شعاع،
 گردوں ارتفاع، صدا و شد کہ ہر جا کہ شیخ
 فرید خواہش بکند موازی چہا ہزار بیگہ زمین
 بدو معاش، بگز آئی، فرو رو و افتادہ بالمنہ صنفہ
 با سہمی شیخ فرید با فرزند ان، از ابتداء فصل خریف
 سنہ ہذا، در اں محال مقرر باشد کہ حاصلات
 آنرا، فصل بفصل و سال بسال، در وجہ معیشت
 خود صرف نماید باید کہ حکام و عمال و جاگیر داران
 و کروریان حال و استقبال، در استمرار و استقرار
 ایں حکم اقدس و اعلیٰ کوشیدہ، آراضی مذکورہ
 را پیمودہ، چک بستہ، بتصرف ایشان و
 گزاشتہ، اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل بدان راہ
 نہ دہند، و تغلب مال و اخراجات - مثل حلقہ و
 پیشکش و جرمانہ و محصلانہ و ضابطانہ و مہرانہ و
 داروغخانہ و بیگار و رشکار و درانی و مقدمی و صدائی
 و قانونگویی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک پیداوار

زراعت و کل تکالیف، دیوانی و مطالباتِ سلطانی،

مزاہمت نہ رسانند! در شباب ہر سال فرمان

و پروا پنچہ مجد و طلب ندارند و از فرمودہ درنگد رند

و عہد شناسند . تحریر فی التاریخ ۲۰ - ماہ فروردی

السی ۲۱ جلوس مطابق ۳۵ سنہ ہجری، !!

زمان بالا کی رو سے چار ہزار بیگہ زمین نواب فرید نے بدایوں سے

کم و بیش ۳ میل کے فاصلہ پر پسند کی اور دریائے سوہتھ کے دہانے

کنارے پر، ایک برباد شدہ موضع - پھلیا - کی جگہ ۲۸ درجہ اوقیہ

عرض البلد شمالی اور ۷۹ درجہ، دقیقہ طول البلد شرقی پر، ایک قبضہ

کی بنیاد ڈالی! اس قبضہ کا نام جہانگیر کے پیارے نام "شیخو بابا"

کے لحاظ سے - جو حضرت سلیم چشتی نے رکھا تھا - شیخو پور رکھا،

ایک پختہ فصیل - جس کے چار گوشوں پر بارہ سنگین برج تھے - تعمیر

کرائی اور اُس میں دو عالیشان دروازے شمالی و جنوبی نکالے

اور اس کل زمین کو قلعہ کے نام سے موسوم کیا۔ اس قلعہ کے اندر

نمبر ۵ - شیخو پور کے قلعہ بخیرہ کی تعمیر کا مفصل حال قلمی تواریخ سے لیا گیا ہے جو شیخو پور

میں ۹ چند اصحاب کے قبضہ میں ہیں!

چاہا ست و باغات کے علاوہ ایک وسیع محسّر کے تعمیر کرائی جس کا شمالی دروازہ نہایت عالی شان اور نبٹ کار تھا! مسجد کی تعمیر تو ضروری چیز تھی ہی مگر اس کے ساتھ ہی ایک پختہ اور بہت بڑا تالاب بنوایا جس کے دو منزلہ والان کے آثار اب تک یاد ماضی کو تازہ کرتے رہے۔ اس تالاب کی وسعت کسی قدر اس سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس کا جنوبی دروازہ اس قدر اونچا تھا کہ ہاتھی معہ انباری کے گزر سکتا تھا!

سنہ ۱۰۳۵ھ میں نواب فرید نظامت بدایوں سے بسکدوش ہوئے، اسی سنہ میں فرمان

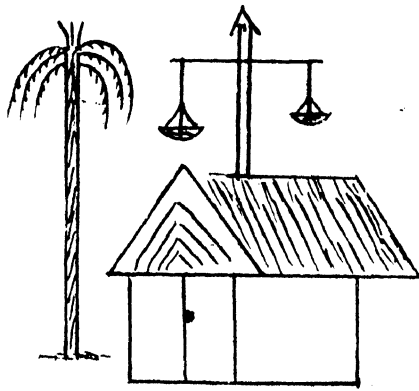
تبرکات

مذکور الصدر ملا، اور غالباً اسی سنہ میں شیخوپور کی بنیاد رکھی گئی! شاہجہان کے آغاز سلطنت تک نواب فرید عمدہ و ملازمت شاہی سے کنارہ کش رہے: گویا ۱۰۳۵ھ تک نواب فرید اپنے ذاتی معاملات میں مصروف و سرگرم رہے! بنائے شیخوپور کے ساتھ ہی ان کو اپنے مشہور و معروف بزرگ حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی یادگار بھی اس نئے مسکن میں قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا! اسی خیال کی بدولت ایک زبردست فوج کے ساتھ پاک پٹن ہنچکر زیارت بابا گنج شکر سے بہرہ اندوز ہوئے اور صاحب سجادہ سے

تبرکات بابا صاحب کی نسبت گفتگو ہوئی جس کے حاصل کرنے کے مدعی نواب فرید بطور اولاد کے تھے! صاحب سجادہ تبرکات بخوشی دینے پر رضا مند نہ ہوئے، معاملہ نے طول کھینچا، اور جنگ چھڑ جانے کی نوبت آگئی: آخر، اکابر وقت نے جمع ہو کر صلح کرائی اور تصفیہ اس شرط پر قرار پایا کہ نواب فرید اپنی استدعا کو بابا صاحب کی درگاہ میں پیش کریں، اگر وہاں سے اجازت مل گئی تو تبرکات اُن کو دیدئے جائیں گے! اُسی رات کو نواب صاحب نے عقیدہ سعادت آمیز کے ساتھ بابا صاحب کی جناب میں رجوع کی اور اسی رات کو صاحب سجادہ کو بشارت ہوئی کہ ”جو تبرکات نواب صاحب چاہتے ہوں ان کو دیدئے جائیں“، علی الصبح درگاہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حجرہ کا قفل خود بخود کھل کر زمین پر پڑا تھا! ان قصے قضیوں کے بعد نواب فرید متعدد تبرکات لیکر واپس آئے، اور ان کو احترام اور عقیدت کے لحاظ سے اپنے مجلسائے سنگین چھت پر ایک حجرہ بنا کر رکھا۔ اس خیال سے رکھا کہ وہ ہر وقت ان تبرکات کے زیر سایہ رہیں! یہ ہی وہ تبرکات ہیں جو ہر محرم کو عرس بابا صاحب کے موقع پر ہر سال اب تک بکالے جاتے ہیں اور حاضرین کو ان کی زیارت سے بہرہ اندوز کیا

جانا ہوا!

۱۰۳۵ھ سے ۱۰۳۷ھ تک شیخ فرید کسی عہدہ ممتاز پر نظر نہیں آتے، اور قلمی تواریخ اس کی وجہ ذریعہاں کی ریشہ دوانی بتاتی ہیں، تاہم ان کے منصب ”ہزار ذات و چار صد سوار“ میں آخر وقت تک کوئی فرق نہیں آتا اور وہ جہانگیر کے دم آخر تک منصب داروں میں عزت کے ساتھ باقی رہتے ہیں!



دو شاہجہانی کی مہمات

شیخ فرید اول تو آصف خاں کی اتالیقی میں رہنے کی وجہ سے، اور سب سے زیادہ - بعد میں - آصف خاں کے داماد بنانے کے باعث - سے آصف خاں والے گروہ میں - گویا شاہجہاں کے طبقہ اثر میں - تھے اور سمجھے جاتے تھے ! نوبرجہاں تخت ہندوستان کو جہانگیر کے بعد بھی اپنے داماد شہریار کے نام سے اپنے زیرِ قدم رکھنا چاہتی تھی : فی الحقیقت نوبرجہاں کو اپنی ذکاوت، طباعی، فطرت اور ثابلیت کا رفرمانی کے اظہار کا عملی طور پر اُسی وقت سے موقع ملا جب سے وہ شیر افکن کے گنہگار سے نکل کر جہانگیر کی آغوش حکومت نصیب میں آئی ! اُس میں اور اُس کے بھائی آصف خاں میں اسی تخت و تاج کی بدولت چلنی چاہئے تھی اور چلی ! اعما والدولہ غیاث بیگ کی زندگی میں ہی یہ آتشِ عناد بہن بھائیوں کے دلوں میں شعل ہو چکی تھی مگر اُس کا کھلم کھلا ظہور اعما والدولہ کے جیتے جی نہ ہوا - اس میں شک نہیں کہ

نورجہاں کے مقابلہ میں آصف خاں کے بجائے کوئی اور ہوتا تو نتیجہ بھی شاید کچھ اور ہوتا؛ لیکن لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہی اور ایک ہی پیٹ میں پانوں پھیلانے والے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے!

جس وقت جہانگیر نے کشمیر سے واپس آتے

تاج و تخت

ہوئے، راستہ ہی میں، سفر آخرت کا

رُخ کیا تو صورت واقعات آصف خاں اور شاہجہاں کے لئے نہایت نازک تھی! شہریار نورجہاں کے اشارہ پر جہانگیر کو مرتا چھوڑ کر لاہور جا پہنچا تھا اور شہنشاہ ہندوستان کے انتقال کی خبر کے ساتھ ہی خزانہ شاہی پر قبضہ حاصل کر چکا تھا، شاہجہاں کالے کوسوں - ہندوستان کے دوسرے سرے پر مہم دکن میں مصروف تھا، اور نورجہاں و آصف خاں جہانگیر کے ہمراہ کشمیر سے واپس آ رہے تھے! دارا بخش، دارا شکوہ، شجاع، اورنگ زیب، مراد، قریب قریب تمام شاہزادے نورجہاں کے جُنگل میں تھے! شہریار نے فراہمی جمعیت کے لئے خزانہ شاہی کاٹنے، آنکھیں بند کر کے - کھول دیا تھا اور آصف خاں نے شاہجہاں کو جبر کرنے اور اپنے حامی سرداروں کو جمع کرنے کے لئے کاغذی

گھڑے دوڑا دئے تھے! نواب فرید شاہی نمک پروردہ ہی نہیں، شاہ جہاں کے ہنزلف بھی تھے اور آصف خاں لے گروہ میں شایستہ خاں کے بعد ان ہی کا بمنہ۔ تعلقات کے لحاظ سے۔ سب سے اوپر تھا! یہ منصب دار بھی تھے، جاگیر دار بھی تھے، ناظم بدایوں بھی رہ چکے تھے، اور اولاد بابا صاحب علیہ الرحمۃ پر۔ جو اکبر کے زمانہ سے خدمات تاج و تخت کے لئے میدان جنگ میں سرفروشی کرتی رہی تھی۔ بہت پورا اثر بھی رکھتے تھے، اس لئے ان کا اچھی جمعیت کے ساتھ امداد پر جا پہنچنا محال نہ تھا! یہ تو نہیں بتایا جاسکتا کہ وہ اس تھوڑے عرصہ میں کس قدر نفوس فراہم کر سکے، تاہم اپنے مرحوم باپ کی طرح۔ جنہوں نے جہانگیر کا ساتھ شاہزادگی کے عالم میں اُس وقت دیا تھا جبکہ اکثر امرا کا بی مذہب ثابت ہو چکے تھے۔ یہ بھی شاہ جہان کے لئے اس وقت کھڑے ہوئے جب لاہور کے میدان میں آصف خاں کی ایک ہزار کی جمعیت کے مقابلہ میں شہریار کی سپہ سالار ہزار مسلح فوج پر اجائے تھی! بہادروں کی پامردی و جانبازی کے بدولت۔ اور آصف خاں کی بے نظیر حکمت عملی یا ڈپلومیسی کے سبب سے۔ میدان آصف خاں کے ہاتھ رہا! شہریار اور اس کی بیوی گرفتار ہوئے، نور جہاں نظر بند

ہوئیں، اور ٹھوڑے عرصہ تک دارانجش حکمت آمیز انتظام کے رنگ میں تخت پر جلوہ افروز رہا! شاہجہاں کے دکن سے آگرہ پہنچتے ہی، نہ دارارہا نہ سکندر، حق حقدار کو پہنچ کر شاہزادہ خورم شاہجہاں بن گیا! ۸۔ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو شاہجہاں شاہنشاہ ہندوستان بنا اور رجب کے مہینے میں آصف خاں کی مظفر و منصور جمعیت - جو فی الحقیقت سلطنت شاہجہانی کی بانی تھی - لاہور سے آگرہ آکر بہرہ اندوز زیارت شاہی ہوئی۔ نواب فرید بھی اسی گروہ میں تھے، خدمت تاج و تخت میں پامردی کا اظہار کر چکے تھے، مستحق عنایت شاہی تھے، اور مظفر و کامیاب مہربانی کی خاطر حاضر ہوئے تھے! شاہجہاں کو ان کی سچی پیٹاری اور تقلال آمیز پامردی کا احساس تھا چنانچہ اُسی کے عیوض میں ان کے مرتبہ و جاگیر میں اضافہ کیا گیا اور منصب ”یک ہزار و پانصدی“ ذات اور ”ششصد سوار“ قرار پایا!

مہم تاج و تخت کے بعد سے ۱۷ سالہ جلوس شاہجہانی تک، شیخ فرید کا نام کسی مہم میں علیحدہ طور پر نہیں آتا، البتہ ۱۷ سالہ جلوس میں جب

آصف خاں مہم بالاگھاٹ سے محمد عادل کو بختیہ دیکر واپس آتا ہے اور اس کے ہمراہی سرداروں کی عزت افزائی کی جاتی ہے تو شیخ فرید کا منصب قدیمہ بھی دو سو سواروں کا اضافہ ہو کر دو ایک ہزار دہا لصدی، ذات اور ہشت صد سوار، یعنی ڈیڑھ ہزار ذات اور آٹھ سو سوار۔ قرار پاتا ہے: اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ شیخ فرید بھی مہم بالاگھاٹ میں شامل ہوئے ہوں کیونکہ یہ اضافہ منصب اُسی جماعت کے ساتھ ہوا تھا جو اُس مہم سے واپس آئی تھی! تاریخ میں شیخ فرید کی شرکت مہم مذکور کی نسبت کوئی ذکر علیحدہ نہیں ملتا؛ اس لئے یقینی طور پر شرکت و عدم شرکت کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ بھی ہو شیخ فرید اس زمانہ میں مصر و خدمات ضرورت تھے کیونکہ شہرہ جلس شاہجہانی میں پھر ان کے مرتبہ میں اضافہ کیا جاتا ہے اور خدمات پسندیدہ کے صلہ میں منصب قدیمہ اضافہ ہو کر ”دو ہزاری ذات و ایک ہزار دو صد سوار، یعنی دو ہزار ذات اور بارہ سو سوار۔ قرار پاتا ہے! اگرچہ تاریخ اس موقع پر بھی صاف صاف اُن خدمات کا تذکرہ نہیں

نمبر ۲۔ بادشاہ نامہ مولفہ ملا عبد الحمید لاہوری۔ جلد اول دور اول صفحہ ۴۷۷ !

نمبر ۳۔ بادشاہ نامہ مولفہ ملا عبد الحمید لاہوری۔ دور اول جلد اول صفحہ ۴۷۷ !

کرتی جن کے بدولت یہ اضافہ ہوا تھا، تاہم اس افزونی مرتب
سے استفادہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس وقت مصروفِ پیکار
تھے !

اس زمانہ کی چھوٹی چھوٹی طہمات میں شیخ
فرید کا علیحدہ طور پر تذکرہ جلوس شاہجہانی کے

اولح دہلی

آٹھویں سال میں ملتا ہے۔ دہلی کے گرد و نواح میں تمام دہقان
آبادی نے دوچار با اثر باغیوں کے بل پر ایک شورشِ عظیم برپا
کر دی تھی اور امنِ عامہ کو آئے دن کی لوٹ مار سے نابود کر دیا
تھا ! ۱۶۵۴ء میں شاہجہاں نے شاہ آباد کے پڑاؤ پر۔ بتاریخ

۲۔ رمضان المبارک اسلام خاں، شیخ فرید، اور دیگر سرداروں کو۔

جن کی کل جمعیت سات ہزار سوار کے قریب ہوتی۔ اس ہم
پرتغین کیا اور حکم دیا کہ وہ دریائے جمن۔ یعنی جمنہ۔ کو عبور کر کے

اُس پار کے باغیوں سے مقابلہ کریں : باغی پورے جتھے اور سامان
کے ساتھ مقابلہ پر نظر آتے تھے کیونکہ ٹیلوں، خندقوں، اور گھنے
جنگلوں میں مستحکم مقامات تیار تھے اور ان سب باتوں سے وہ

اپنی طاقت پر اعتماد رکھتے تھے! شیخ فرید اور دیگر سرداروں نے معمولی مقابلہ میں ہی باغیوں کو مار بھگا دیا اور سرعت کے ساتھ تعاقب کر کے ان کے تمام استحکامات کو توڑ ڈالا! شورش کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد کام آئی اور بقیۃ السیف تمام مال و اسباب چھوڑ کر جان بچا لیجانے میں کامیاب ہوئے! یہ حملہ استقدر تیزی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ صرف ۲۲ یا ۲۳ روز میں کل نواح دہلی مادہ فاسد سے پاک ہو گئی! ۲۵ھ - رمضان کو جب شاہجہاں دہلی سے تیسری منزل میں، سامی گھاٹ کے قریب، خیمہ زن تھا، اسلام خاں، شیخ فرید، اور شالیستہ خاں باغیوں کا استیصال کر چکنے کے بعد، ان کے پس ماندہ سامان و مویشی کے ساتھ - حاضر بارگاہ ہوئے! ۳۰ شوال کو اکبر آباد پہنچ کر خطابات و مراتب عنایت ہوتے ہیں۔ اور شیخ فرید کا منصب بھی روز افزوں ترقی سے متمتع ہوتا ہے! اب بجائے دو ہزار کے ”دو ہزار و پانصدی ذات و ہزار و پانصد سوار“ - یعنی ڈھائی ہزار ذات اور ڈیڑھ ہزار سوار - کی عزت لضبیب ہوتی ہے!

نمبر ۵ - بادشاہ نامہ - دور دوم جلد اول - صفحہ ۷۶ !

نمبر ۶ - بادشاہ نامہ - دور دوم جلد اول - صفحہ ۸۵ !

سب سے پہلی مرتبہ شیخ فرید
جس بڑی مہم میں شریک ہوئے
وہ جھجارسنگہ کا مقابلہ تھا !

مہم جھجارسنگہ

جھجارسنگہ راجہ نرسنگہ دیو کا لڑکا تھا۔ یہ نرسنگہ دیو وہی ہے
جس نے جہانگیر کی شاہزادگی کے زمانہ میں اس کے اشارہ سے
ابوالفضل کو برہان پور سے واپس آتے ہوئے رستہ میں قتل
کیا تھا اور اس کے معاوضہ میں دو راجہانگیری میں راجہ کا خطاب
اور اونچے کا پرگنہ دربار شاہی سے پایا تھا : جھجارسنگہ شاہجہاں
کے خلاف اول سے رہا مگر سلسلہ جلوس شاہجہانی میں اس کے
تمام قصور شاہجہاں نے معاف کر دئے تھے ! اس پر بھی وہ باز نہ آیا

نمبر - ملاحظہ ہو منتخب اللباب خانی خاں - جلد اول صفحہ ۵۰۹ !

نمبر - جھجارسنگہ سمنہ جلوس میں حمایت خانِ خانانِ ناظمِ دکن کی ماتحتی میں متعین تھا۔
اُسی سال خانِ خانان سے رخصت لیکر وطن گیا اور اپنی جگہ بکرا جیت عرف جگراج اپنے
لڑکے کو دکن میں چھوڑ گیا ! وطن پہنچتے ہی بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور پیم نرائن
زمیندار ولایت گڑھ پر جا چڑھا۔ اُس کے غریزہ و اقارب کو قتل کر کے تمام مال لوٹ لیا
اور اپنے لڑکے جگراج کو خفیہ طور پر اطلاع کی وہ چھپ کر بھاگ آئے جب پیم نرائن کا
لڑکا دربار شاہجہانی میں فریادی ہوا تو فرمانِ صادر ہوا کہ ”خیر اسی میں ہے کہ علاقہ دلائی گڑھ
پیم نرائن کو واپس دے اور لوٹ مار جس کا اندازہ دیکھو تھا۔ (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

اور سبہ جلوس مذکور میں پھڑس نے بغاوت پر کمر باندھی۔ اس کے مقابلہ کے لئے شاہجہاں نے اول اول تین افواج عبدالسرخاں فیروز جنگ، سید خان جہاں، اور خان دوراں کی سرداری میں علیحدہ علیحدہ متعین کر کے تین مختلف سمتوں سے حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر بعد میں اس خیال سے کہ ”تینوں سردار کسی بات پر آپس میں نہ بھڑ جائیں یا ایک دوسرے کا حکم ماننے میں تامل نہ کرے“ اس نے ۱۵۔ ربیع الثانی ۱۰۲۲ھ کو شاہزادہ محمد اورنگزیب کو سر عساکر مقرر کر کے ایک ہزار تیر انداز و برق انداز اور ایک ہزار سوار کی جمیعت کے ساتھ مذکورہ بالا تینوں افسروں کے اوپر متعین کیا! شاہزادہ محمد اورنگزیب کے ساتھ جو سردار مقرر ہوئے ان ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۲) نقد داخل کرے ورنہ اس کی خطا معاف نہیں کی جائے گی، مگر جھجارسنگ نے کچھ پروا نہیں کی اور اس کا لڑکا جو بالالٹا پر متعین تھا چھپ کر بھاگا اور دھامونی میں اپنے باپ سے جا ملا! جھجارسنگ مکر کے طور پر عرضداشت بھیجتا ہے مگر سند رکب رکے جب اس کے علاقہ میں پہنچتا ہے تو معاملہ دگر گز پاتا ہے اور شاہجہاں کو اطلاع دیتا ہے کہ جھجارسنگ دغا باز ہے اور ہر طرح آمادہ فساد ہے! جھجارسنگ کے فساد و فتنہ ہوجانے پر شاہجہاں فیروز جنگ کو بھاندھیر کے نواح میں، خاندوراں کو چندیری میں، اور سید خان جہاں کو بداول کے قریب معہ افواج متعینہ کے ٹھہرنے اور حکم شاہی کا منتظر رہنے کے لئے روانہ کرتا ہے! (بادشاہ نامہ۔ جلد اول درود دوم صفحہ ۹۲)

میں شیخ فرید بھی تھے جو چند مہینے پیشتر نواح دہلی کی شورش کے
استیصال سے فارغ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ان کے
سگے بھتیجے - یعنی شیخ ابراہیم کشور خاں کے لڑکے شیخ الہ دیا
بھی تھے !

سر عساکر شاہزادہ اورنگ زیب کے حکم کے موافق تینوں افواج
نواح بھاندھیر میں شاہزادہ سے آپس اور اونڈچہ کی طرف
بڑھنا شروع ہوا ! اونڈچہ سے تین کوس کے فاصلہ سے ایک
گھنا جنگل شروع ہوتا تھا جس کے راستے نہایت دشوار گزار
تھے ، چھار سنگہ پانچ ہزار سوار اور دس ہزار پیدل کی جمعیت
کے ساتھ اونڈچہ میں تھا ؛ لشکر شاہی روزانہ جنگل کو کاٹتا اور
راستوں کو ہموار کرتا ہوا پیش قدمی کرتا تھا اور چھار سنگہ کی
متعینہ چھوٹی چھوٹی طہا عتیں گھنے درختوں کی آڑ پکڑ کر لشکر
شاہی پر تیر و تفتاب برسا کرتی تھیں ! لشکر شاہی بڑھتے بڑھتے
کھمروالی پر قابض ہو گیا چھار سنگہ دہامونی کی طرف اور وہاں
سے بھی چوڑا گڑھ کی طرف بھاگا اور قلعہ دہامونی پر اپنے ایک

نمبر ۹ - ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ جلد اول دور دوم صفحہ ۹۹ و ۱۰۰ !
نمبر ۱۰ - ہم چھار سنگہ کے کل واقعات بشرح و بسط بادشاہ نامہ میں درج ہیں - ملاحظہ ہو جلد
اول دور دوم صفحہ ۱۰۶ لغایت ۱۱۴ -

مقدمہ رتنانامی کو مقرر کر گیا! لشکر شاہی نے دہا موہنی کا محاصرہ کر لیا اور آدھی رات تک نہایت جان بازی کے ساتھ لڑ کر قلعہ فتح کر لیا۔ سید خان جہاں مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق کے لئے چھوڑے گئے اور بقیہ سردار و افواج دشمن کے تعاقب میں سرگرم ہوئیں! زمیندار دیو گڑھ اسی زمانہ میں مر گیا اور جھجارسنگہ کو پٹو کے قلعہ و اسباب جنگ کو غارت کر کے دکن بھاگ جانے کا راستہ مل گیا! لشکر شاہی نے چوراکڑھ کے قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا اور پوری سرعت کے ساتھ فوراً تعاقب شروع کر دیا! جھجارسنگہ دو ہزار سوار و چار ہزار پیادہ کی جمیعت کے ساتھ ۶۰ زر آمو دہاتھ لئے ہوئے ۸ کوس گونڈی روزانہ طے کر رہا تھا اور لشکر شاہی تعاقب کی دھن میں ۱۰ کوس گونڈی روزانہ قطع کر رہا تھا۔ بعض دن سردار نے آدھی رات سے ہی تعاقب شروع کر دیا اور دوسرے دن عروبہ آفتاب تک ۲۰ کوس گونڈی طے کئے! اسی طرح سخت تعاقب کے بعد لابی سے آگے دشمن کو جالیا، سخت مقابلہ پیش آیا اور جھجارسنگہ

نمبر ۱۱۔ ایک کوس گونڈی دو کوس رسی کے برابر ہوتا تھا یعنی ۸ کوس گونڈی ۱۶ کوس کے برابر سمجھنے چاہئیں! (بادشاہ نامہ)

پھر طرغ و نقارہ، چار زر آمود ہاتھی اور نواونٹ چھوڑ کر، جان بچا لیجانے میں کامیاب ہو گیا اور گو لکنڈہ کی طرف بھاگا !

سردارانِ جفاکش نے بغیر آرام کئے پھر تعاقب آدھی رات سے شروع کر دیا اور صبح ہوتے ہی دشمن کو پھر جالیا ! لشکر شاہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، دشمن کی قریب قریب کل تعداد کام آئی اور جھجکا لڑکا درگہان اور بکرماجیت کا لڑکا و جہن سال سیر ہوئے ! جھجکا رو بکرماجیت پھر بھی جان بچا کر جنگل کی طرف بھاگ گئے ! لشکر شاہی نے تالاب کے کنارے منزل کی ہی گئی کہ جھجکا رسنگہ اور بکرماجیت کی ایک جماعت گونڈ کے ہاتھ سے قتل ہونے کی خبر ملی !

جھجکا رسنگہ کے باپ زرسنگہ دیونے گھنے جنگلوں اور دشوار گزار مقامات پر کنوئیں کھود کھود کر کثیر زر و جواہر دفن کیا تھا اور جھجکا رسنگہ نے اپنے زمانہ میں ان دفینوں میں اور اضافہ کیا تھا۔ اب یہ تمام چاہات فاحشین کے ہاتھ آئے ! گویا مہم جھجکا رسنگہ سے قریب ایک کروڑ روپیہ نقد خزانہ عامرہ میں داخل ہوا اور ایک ولایت جس کا محاصل تقریباً ۵ لاکھ روپیہ تھا نصرت میں آئی ! شیخ اب تک کسی ایسی بڑی مہم میں شامل نہ ہوئے تھے مہم

جہاں سنگہ پہلا موقعہ تھا جس میں شیخ فرید سردار فوج کی حیثیت سے شریک مہم ہوئے !

شیخ فرید مہم جہاں سنگہ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ شاہجہاں نے اسی سال شاہتہ خاں کی جمعیت میں

تسخیر سنگینہ

دیگر سرداروں کے ساتھ ان کو بھی ساہو بھولسلا کی تادیب اور انشراح قلعہ ہائے جنیر و سنگینہ و ناسک و تربنگ کے لئے متعین کیا ! شاہتہ خاں آٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ، رمضان المبارک ۱۰۴۵ھ کو روانہ ہوا اور سرداران متعینہ کو رخصت کے وقت خلعت و انعامات علی قدر مراتب عطا کئے گئے !

ممبر ۱۲۔ ساہو بھولسلا کے ہوا خواہوں نے جلوس شاہجہانی کے نویں سال میں بہت سڑٹھایا۔ نظام الملک خود تو قلعہ گوالیار میں نظر بند تھا لیکن اس کے مقلد سرگرم بغاوت تھے۔ انھوں نے اس کے خاندان میں سے ایک لڑکے کو اس کا جانشین بنا کر نظام الملک کے لقب سے اسے لقب کیا اور ولایت بے نظام کے حالات کو قبضہ میں لا کر بغاوت کا علم بلند کیا ! شاہجہاں کو اسے دو اتنا بار (دو) میں خیمہ زن تھا جب اس کو اس بغاوت کے استیصال کا خاص طور پر انتظام کرنا پڑا۔ ساہو کا وطن اعلیٰ چام کوٹہ تھا جو ولایت احمد نگر سے متصل تھا ! شاہجہاں نے خان زماں کو احمد نگر اور کوکن کی فتح پر متعین کیا، (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

شایستہ خاں نے آگے بڑھ کر پہلی منزل پر اللہ وردی خاں کو
تھوڑے لشکر کے ساتھ اپنی جمعیت سے علیحدہ کر کے چاندور،
اچلاگر، اور چھوٹے چھوٹے قلعوں کے تصرف میں لانے کے لئے
روانہ کیا اور خود بقیہ سرداران متعینہ اور سپاہ کو لیکر ساہو کے
تقابل میں چلا! پہلا مقابلہ پرگنہ سنگنیر میں ساہو بھولسلا کے
لڑکے سیواجی سے ہوا۔ سیواجی نے اپنی پوری طاقت سے مقابلہ
کیا مگر سپاہ شاہی نے نہایت جاں بازی کے ساتھ سرگرم پیکار
رکھ کر شکست ہی نہیں دی بلکہ پانوں اکھیر دے اور تھوڑے ہی
عرصہ میں پرگنہ سنگنیر سے سیواجی اور اس کی باغی جماعت کو
مار بھگایا۔ باغی سنگنیر سے بھاگ کر ناسک کی حدود میں داخل
ہو گئے اور وہاں کی رعایا پر ظلم و تعدی کرنے لگے! شایستہ خاں
کو اس ظلم و بدامنی کی خبر ملی تو اس نے شیخ فرید کو ناسک کا تھانہ و
مقرر کیا اور باغیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا! شیخ فرید ناسک
کی طرف چلے اور ان کو معاموم ہوا کہ تمام رعایا بدامنی اور باغیوں

۱۔ بنیہ نوٹ صفحہ ۹۷، خاندوران کو قدحار و نانہ چھر کے قبضہ میں لانے پر مقرر کیا اور شایستہ خاں کو
۲۔ تھانہ راجہ جمعیت سے جنہر سنگنیر ناسک۔ اور ترنگا کے قلعوں کو باغیوں کے تصرف سے
نکالنے اور ساہو کی قرار واقعی نادیب کے لئے روانہ کیا! شیخ فرید شایستہ خاں والی جمعیت
میں متعین رہ کر سرگرم پیکار ہوئے! (ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ ملا عبدالحمد لاہوری۔ جلد اول
دور دوم صفحہ ۱۳۵-۱۳۶۔ شیخ فرید کا ذکر صفحہ ۳۱ پر ملے گا!) بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر۔

کے دستِ نظم سے تنگ آکر اپنا گھر بار چھوڑ بھاگی ہے اور فصل
 ایتادہ کا خبر گیراں کوئی بھی نہیں رہا ہے! باغیوں پر شیخ فرید
 کی ہمیت اس درجہ طاری تھی کہ اُن کے ناسک کے حدود میں قدم
 رکھتے ہی تمام باغی - بلا کسی قابل ذکر مقابلہ کے - سر پر پاؤں رکھ کر
 ناسک سے کوکن کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے! احمد خاں نیاززی
 دندوری میں اور محمد سردار انکولہ میں ضبط پرگنات کے لئے اور زیادہ
 تر سرسیمہ اور خائف رعایا کو تسلی دیکر زراعت کے کاروبار پر واپس لانے
 کی غرض سے متعین ہو چکے تھے - بہت تھوڑے عرصہ میں شیخ فرید
 نے ناسک کو باغیوں کے وجود و شرانگیزی سے پاک کر دیا اور امن
 و انتظام قائم کر کے رعایا پر کاشتکار جماعت کو آرام و آسائش کی
 زندگی بہم پہنچا دی!

ناسک کی تھانہ داری پر متعین ہونے کے بعد
ناسک سے ہی شیخ فرید شاہ تہ خاں والی جمعیت سے
 علیحدہ ہو گئے! شاہ تہ خاں جینر کی فتح اور سیوا جی کے مقابلہ میں

منہمک رہا مگر یہ پھر اُس جمعیت کے ساتھ شریک پیکار نہیں رہے! ناسک اور اس کے نواح کو باغیوں کے وجود سے پاک کرنا اور تمام رعایا و کاشتکاروں کو تسلی و یکجہ از سر نو آباد کرنا ایسا اہم فرہنگ تھا جس میں ان کا تمام ترقی صرف ہوا! ناسک ہی میں نہیں بلکہ اس کے نواح کے مواصلات سے بھی باغیوں کو صاف کرنا اہم تھا اس لئے کم و بیش سال بھر شیخ فرید باغیوں کے استیصال میں مختلف مقامات پر مصروف رہے! چنانچہ اُسی زمانہ کے ایک فرمانِ شاہجہانی سے ان خدمات کا بین ثبوت ملتا ہے، یہ فرمان جس کی نقل حرف بحرف درجِ ذیل ہے۔ شیخ فرید کی اُس سند کے جواب میں صادر ہوا تھا جو انھوں نے موضعِ اہولی کے رفعِ بغاوت کے بعد ارسالِ بارگاہِ شاہجہانی کی تھی: فرمان پُرانا اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اکثر جگہ سے پھٹ گیا ہے، اس لئے جہاں جہاں عبارت اڑ گئی ہے وہاں نقل کرنے میں نقطہ لگا دئے گئے ہیں:-

”خانہ زاد قابلِ الرحمۃ، لایقِ العنانیہ والمراحم شیخ

فریدالمخاطب..... بعنایتِ بادشاہانہ
 مشتمل و امیدوار گشتہ بدانکہ عرضہ داشتے کہ
 درینولا..... نوشتہ۔ بدرگاہِ عالم پناہ ارسال
 داشتہ بود بتاریخ ۲۵۔ فروردین برسید و انچہ از
 تنبیہ نمودن مقہوران کہ در موضع اہولی جمع شدہ
 بودند و در بعضی مواضع آنہا ارمی رسانیدند معروض
 داشتہ بود، معلوم را سے عالم آرا سے گردید
 و ابرے محب محراے آل خانہ زاد شد۔ می باید
 کہ ہمیں دستور مقہوران آل سرزمین را آچنناں
 تنبیہ نماید کہ دیگر اثرے از آنہا نامذور عایام فرما حال
 بود..... و مقام حیلے و ناسد ارمولوع
 تخلف و انحراف نورزد۔ "تاریخ ۲۴..... ۹ حلوین"

اسی فرمان کی پشت پر۔ "برسالہ مرید خاص و فرزند تمام اختصاص را
 شکوہ۔ معرفت کہترین فدویان افضل خاں" ورج ہے! اس فرمان
 کی عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تھانہ دارمی ناسک کے زمانہ

میں شیخ فرید موضع اہولی اور اُس کے قرب وجوار کے مواضعات کو باغیوں کے وجود سے پاک کرنے میں مصروف رہے !

ناسک کی تھانہ داری کی میعاد کم و بیش ایک

فساد چند وار ساں نظر آتی ہے کیونکہ دوسرے سال فرید

کو دوسری مہم پر جانا پڑتا ہے ! شاہجہاں کو محال پرگنہ سہوان میں -

شیر صحرائی جانوروں کے شکار میں - خبر ملی کہ چند وار کے فساد پیشہ

باغی موضع کر دین میں جمع ہوئے ہیں اور بغاوت پر آمادہ ہیں !

۹۔ شوال ۱۰۴۱ھ کو شاہجہاں نے شیخ فرید، اصالت خاں اور

دیگر سرداروں کو اس فساد کے فرو کرنے اور باغیوں کی سرکوبی کے

لئے متعین کیا - بہادروں نے سرعت کے ساتھ بڑھکر قلعہ جا پا کا -

جس پر باغیوں کو بہت کچھ گھمٹا تھا - محاصرہ کر لیا اور باغی قلعہ بند

ہو کر تیر و تفنگ برسانے میں مشغول ہوئے ! سرداروں نے

کنند کے ذریعہ سے - نہایت دلیری کے ساتھ - مقابلہ کرتے ہوئے،

فوج کو دیوار پر سے بھی اندر اتارا اور دروازہ پر قابض ہو کر اُس طرف

سے بھی اندر جا گھسے ! باغی زیادہ تر تلوار خون آشام کے نذر ہوئے !

اور کمتر اسپر ہوئے! شاہی سرداروں میں سے محض جانب پار خاں
کار کا کام آیا! چند دن میں قلعہ جا پالش کر شاہی کے قبضہ میں تھا
اور پرگنہ جندوار مادہ فاسد سے پاک تھا!

پرگنہ جندوار کے فساد کو دور
تنبیہ ہزارہ جات کر چکنے کے بعد خدا جانے شیخ
فرید اور مہمات میں حصہ لیتے رہے یا نہیں۔ تاریخ کا سکوت
اس وقت دور ہوتا ہے جب شہرہ میں یہ مہم ہزارہ جات
پر متعین ہوتے ہیں! ہزارہ جات کی شورش اور نذر محمد خاں
والے بلج کی سرکشی، ایسی چیزیں تھیں جن کے مستقل سنبھال

نمبر ۱۔ جہانگیر نے اپنے زمانہ شاہنشاہی میں کابل کی طرف سے لاہور والی اختیار
کر لی تھی اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ بلگتوس نامی ایک باغی نے موقعہ پا کر ہزارہ جات
و نواح کابل کے اکثر شہر اپنے تصرف میں لا کر مال گزاری دینے اور ناظم کابل کی اعلیٰ
کرنے سے قطعی انحراف شروع کر دیا تھا۔ شاہجہاں کو سخت نشینی کے وقت سے
اس کا خیال تھا مگر شہنشاہ سے پیشتر دیگر مہمات نے اسے اس طرف توجہ کرنے کا
موقعہ نہ دیا: اگرچہ شہنشاہ میں شاہ شجاع کو اسی حصہ کی تیغ پر مامور کیا تھا مگر اس
سے شاہ ایران کو پیشہ ہوا تھا کہ شاہجہاں کا ارادہ ماوراء النہر کے چھین لینے کا ہے۔
مختصر یہ کہ شاہجہاں کو شجاع کے اتین سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اور مجبوراً شہنشاہ
میں تنبیہ ہزارہ جات کے لئے باقاعدہ لشکر کشی کرنی پڑی! (ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ

کا ارادہ شاہجہاں کے دل میں عرصہ سے تھا لیکن اس کا عملی ظہور کافی طور پر ۱۶۴۷ء سے پیشتر نہیں ہوا۔ اس سال خانِ دیوان بہادر نصرت جنگ اور سعید خاں بہادر ظفر جنگ اور شیخ فرید معہ دیگر سرداران اس مہم پر نذر محمد خاں کی تادیب کے لئے مقرر ہوئے اور شاہ ایران کو مطمئن کروایا گیا کہ وہ اس لشکر کشی سے کوئی اور غلط فہمی نہ پیدا کرے! لشکر شاہی نے دونوں جانب سے ہزارہا ت پر حملہ شروع کیا اور تمام علاقہ کو باغیوں اور شرر انگیز شخصوں کے وجود سے پاک کر دیا۔ نذر محمد خاں اس وقت بلخ میں تھا۔ فتح شاہی کو سنتے ہی ہراساں ہو گیا اور نذر گراں بہا کے ساتھ نامہ اطاعت منصوحہ جی کے ہاتھ شاہجہاں کی خدمت میں روانہ کر کے طالبِ معافی ہوا! سردارانِ شاہی نے ۲۴ ربیع الاول کو مژدہ کا میا بی بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا! لشکر کو واپسی کا حکم ملا اور شیخ فرید نصرت جنگ کے ساتھ دارالخلافہ تک آکر اپنے علاقہ کی طرف چلے آئے!

شیخ فرید کو اپنے علاقہ میں مشکل سے چند ماہ
مہم منو کے لئے آرام میسر آیا ہوگا کیونکہ شاہجہاں سو
 کی فتح پر اور جگت سنگھ دراج روپ کی تہنہ
 قرار داتی ہے یہہ تن متوجہ تھا! جب ہر طرح معلوم ہو گیا کہ ”جگت سنگھ
 محض مکر اور بے ایمانی سے جہاں تک ہو سکے کام لینا چاہتا
 ہے“ تو ۱۶۴۶ء میں شاہجہاں نے تین سرداروں کی ماتحتی
 میں تین فوجیں اسی مہم کے لئے متعین کیں۔ سعید خاں بہادر
 ظفر جنگ والی فوج کے ساتھ جو سردار بطور کمک یا امداد
 متعین ہوئے تھے اُن ہی میں شیخ فرید بھی تھے۔ ہر سال فوج
 کو حکم ملا کہ مختلف سمتوں سے پیش قدمی کریں اور پیٹھان پر تمام

نمبر ۲- ۳۔ ۱۶۴۶ء جلوس شاہجہانی میں جبکہ جگت سنگھ کشمیر میں ہیرا کا بخدمت شاہی
 تھا۔ شاہجہاں کو راج روپ کے ارادہ فاسد اور بغاوت سرری کا حال معلوم ہوا
 اور اُس نے اس کا انتظام ضروری سمجھا! راج روپ جگت سنگھ کا بڑا لڑکا تھا
 جس کو شاہجہاں نے سال گذشتہ میں ۱۶۴۵ء جلوس میں۔ اُنہار اطاعت
 پر دامن کوہ کا نگرہ کی فوجداری پر مقرر کر دیا تھا۔ اب ایک سال بعد جو اس
 کی بغاوت کا پتہ چلا تو اس کے باپ جگت سنگھ نے بندگان شاہی میں
 درخواست دی کہ بجائے راج روپ کے اُس کو کا نگرہ کی فوجداری پر مقرر کیا
 جائے تو وہ راج روپ جیسے ناشدنی لڑکے کو بھی (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

فوجیں ایک دوسرے سے آملیں اور شاہزادہ مراد بخش کا انتظار کریں جو ہر سہ افواج کا سر عسا کر کمانڈر ان چیف۔ مقرر ہوا تھا۔ یہ ہم اُس زمانہ کے لحاظ سے بڑی اور پیچیدہ لڑائیوں کے شمار میں آتی ہے۔ بادشاہ نامہ اور منتخب اللباب اس کے تفصیلی حالات سے بھری پڑی ہیں! میں محض ضروری نقل و حرکت کو نذر ناظرین کرتا ہوں! سر عسا کر شاہزادہ مراد بخش رسد و آذوقہ کے لئے پیٹھان میں خیمہ زن رہا۔ سید خان جہاں قلعہ نورپور کی طرف چلا۔ اور شیخ فرید ظفر جنگ کے ساتھ دامن کوہ ہاں کی طرف سے بڑھ کر نواحی سُو میں اصالت خاں سے جا ملے! راجہ باسو کے باغ کو محاصرہ کیا گیا راجہ باسو جگت سنگھ کا باپ تھا جس نے یہ باغ درہ کے دہانہ پر ہموار جگہ نصب کیا تھا!

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۵) سزا دے اور مرزا بانون سے تحصیل وصول کے بعد نذرانہ دیا۔ بھی پیشکش کرے! شاہ جہاں کی نیک سرشتی نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور جگت سنگھ کشمیر سے روانہ ہو کر وطن کو چلا! وہاں پہنچتے ہی کیسی قلعہ اور کہاں کا انتظام۔ قلعہ جات اور دروں کو مضبوط کیا، راستے قریب قریب مسدود کر کے اور قلعہ تار اگر طھ کو کیل کانٹے سے درست کر لیا! شاہ جہاں نے اس کی خبر پاتے ہی سندرب رائے کو تحقیق کی غرض سے بھیجا۔ سندرنے جو کچھ ہاں معلوم کیا اور جو کچھ لکھا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ جگت سنگھ بظاہر (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

اس مقام سے قلعہ منوٹاک سلسلہ کوہ، ناہہوار درے، دشمن کے مورچے، تنگ راستوں پر کمین گاہیں، اور مختلف دشوار گزار استحکامات حاصل تھے۔ اہر بند اور ہر مورچہ پر شکر شاہی کوشمن کی جماعتوں سے جو استحکامات کی آڑ پکڑ کر تیر و تفرنگ برساتی تھیں دو چار ہونا پڑتا تھا اور یہ مقابلوں کا سلسلہ برابر روزانہ جاری تھا! شاہزادہ کے حکم سے ظفر جنگ اور شیخ فرید پر والے راستہ کی طرف چلے! دامن کوہ تک پہنچ کر ٹھہرنا پڑا! سعد اللہ و عبداللہ ظفر جنگ کے بیٹے۔ انتخابِ معسکر کے لئے پہاڑی کے اوپر گئے اور اپنی جمعیت کے ساتھ جنگل اور جھاڑ جھنکار کے صاف کرنے میں مصروف ہو گئے، دشمن کو تراکمِ اشجار نے بہت کچھ دلیہ بنا رکھا تھا لہذا چار پانچ ہزار کی جماعت برابر والی اونچی پہاڑی پر نمودار ہوتے ہی آتشِ پیکار گرم کر بیٹھی! ظفر جنگ نے دامن کوہ سے لطف اللہ کو پہلے، اور شیخ فرید کو تھوڑے

(بقیہ نرط صفحہ ۱۱) اطاعت کی جھول اور حنا چاہتا ہے مگر فی الحقیقت برابرِ فساد ہے اور آمادہ پیکار ہے اسی لئے دھوکا دیکھ اور زیادہ وقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس تحقیقِ جز کے بعد شاہجہاں نے سید غاںجہاں - سعید غاں ظفر جنگ - اور راجہ جو سنگھ کی سرداری میں تین افواج روانہ کیں اور شاہزادہ مراد بخش کو سرعہ کار مقرر کیا۔ شیخ فرید ظفر جنگ والی فوج میں تھے (بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۲ تا ۲۳۹) (بقیہ نرط صفحہ آئینہ پر)

وقفہ کے بعد، کمک پر روانہ کیا! دشمن دراصل تمام درخت زار میں مور و مار کی طرح پھیلے ہوئے تھے؛ لطف اللہ کوراستہ ہی میں ایک گروہ نے آلیا! زرد و خور و شروع ہو گئی، لطف اللہ زحمنی ہوا مگر تیچھے آنے والی کمک۔ یعنی شیخ فرید والی جماعت۔ عین وقت پر پہنچ کر آڑے آئی! کمک نے پوری بہادری کے ساتھ دشمن کو مار بھگایا اور لطف اللہ کو بمشکل تمام بچا لیا! دو روز کے اندر پُر کے قریب مسکر کے گرد خندق و خار بست کا مستحکم دوبرن گیا!

پیش قدمی روزانہ تھوڑی تھوڑی ہوتی تھی! چھوٹے چھوٹے مقابلے، دلیرانہ معرکے، سرعت آمیز حملے، روزانہ پیش آتے تھے اور روزانہ لشکر شاہی غالب آتا جاتا تھا! ان سب معرکوں میں ۲۱۔ شعبان والا معرکہ زیادہ اہم تھا۔ اس دن لشکر شاہی اُس باڑ کے سامنے پہنچ گیا تھا جو دشمن نے راجہ باسو والے باغ کی متصل پہاڑی پر باندھی تھی! نجابت خاں، ذوالفقار خاں

توپ خانہ کے ساتھ، اور شیخ فرید (معہ اور امرار) جماعت
تیر و تفنگ انداز کو لیکر مختلف سمتوں سے باڑہ کی طرف بڑھے!
شیخ فرید والی جماعت بڑی بہادری کے ساتھ، لکڑی کے تختوں
کو سپر بنائے اور محض سر بچائے، دشمن کی بارش تیر و تفنگ کا مطلق
بھی خیال نہ کر کے، سرعت کے ساتھ حملہ آور ہوئی! تیزی کے
ساتھ دوڑ دوڑ کر منچے باڑ کے قریب پہنچے اور ان ہی سپر کا کام دینے
والے تختوں کو نہایت جلد ترتیب دیکر بڑی دلیری کے ساتھ باڑ
کے مقابل میں اپنا مورچہ بنا لیا! مورچہ کے مستحکم ہوتے ہی
باڑ پر جا پڑے اور نہایت خونریز معرکہ پیش آیا۔ دشمن کی قریب
قریب کل جماعت جو اس باڑ پر متعین تھی طعمہ شمشیر ہو گئی! اس
معرکہ میں سب سے زیادہ دلیری شیخ فرید والی جماعت نے دکھائی
اور باڑ کو سینہ سپر ہو کر فتح کر لیا! ایسے ہی معرکوں کا سلسلہ برابر
جاری رہا! غزہ رمضان المبارک وہ دن تھا جب شاہ جہان کی
تاکید کی وجہ سے شاہزادہ مراد بخش خود بھی بیٹھان سے بڑھا
اور سب پر پھر تاکید کی گئی کہ بہادری اور جان بازی سے کام لیں!

شاہزادہ مراد بخش، ظفر جنگ اور شیخ فرید، بہادر خاں، خاجہاں،
 مختلف سمتوں سے قلعہ منو پر بڑھے۔ پانچ روز تک نہایت
 سخت اور خونریز لڑائی جاری رہی جس میں دو تین ہزار سپاہی
 شکر شاہی سے شہید ہوئے اور کثیر تعداد دوسری جانب کی
 کام آئی۔ قلعہ منو کا بیرونی حصار اس قدر جانفشانی کے بعد نظر آیا!
 شاہزادہ نے یورش کا ایک دن مقرر کر کے تمام سرداروں کو اطلاع
 دیدی اور تاکید کر دی کہ اُس روز حتی الامکان قلعہ فتح کر لیا جائے!
 تمام سردار تاسیخ مقررہ پر اپنی اپنی جانب سے حملہ آور ہوئے۔
 لڑائی کے گھمسان اور خونریزی کی شدت نے قلعہ کی فصیل و دروازہ
 کو نمونہ دوزخ بنا دیا۔ معرکہ خونریز نے کثیر تعداد قابلوں کو زندہ جاوید
 روح کی نعمت سے محروم کر کے قلعہ منو کو شکر شاہی کے ہاتھ میں
 دیدیا! پہنچ آخر رمضان المبارک میں ہوئی جس کے ساتھ جگت سنگھ
 تارا گڑھ کی طرف بھاگ گیا!

فتح منو کے بعد ظفر جنگ تو واپس بلا لئے گئے اور پنجاب کی طرف
 بھیجے گئے مگر لقیہ افواج شاہزادہ مراد بخش کے ساتھ تارا گڑھ کی مہم پر
 متعین ہوئیں! یہاں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شیخ فرید ظفر جنگ والی
 جماعت کے ساتھ واپس گئے یا تارا گڑھ کی مہم میں بھی شریک ہوئے۔

بادشاہ نامہ کی عبارت سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ایسی صورت میں ہم تار اگر دھ میں شیخ فرید کی شرکت یا عدم شرکت۔ دونوں میں سے کسی۔ پر یقین کے ساتھ کوئی رائے نہیں لگائی جاسکتی! ہم اسی وجہ سے ہم تار اگر دھ کو چھوڑتے ہیں!!

صوبہ قندھار دارائے ایران کی آنکھ میں عصہ سے کھٹک رہا تھا۔

تختِ کابل

گھلم گھلا اس کا ظہور ہوا۔ صفر خاں صوبہ دار قندھار و غزنی اور جلال شاہ نے شہزادہ کو اطلاع دی کہ شاہ ایران نے ایک لشکرِ جزا رستم خاں گرجی سپاہیوں کی سرداری میں قندھار کے لئے روانہ کیا ہے جو فی الحال نیشاپور میں شاہ ایران کے پہنچنے کا منتظر ہے! شاہ جہاں کو ۱۰۵۲ھ میں اپنے

نمبر ۲۳۔ صوبہ قندھار اور اس کے مضافات مملکتِ ہندوستان میں عرشِ آشیانی محمد جلال الدین اکبر کے وقت سے شامل ہو چکے تھے۔ جہانگیر کی عدم توجہی نے اس صوبہ کو ہاتھ سے نکال دیا۔ شاہ جہاں نے غبارِ سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی اس از دست رفتہ حصہ کو پھر فتح کی صورت میں حاصل کر لیا۔ صفی دارائے ایران کی نگاہ اس حصہ پر پہلے سے محض شاہ جہاں کا الحاق قندھار اس کو شاق ہو گیا۔ اول اول تو بات بات میں خواہ مخواہ کی رکاوٹ پیدا کرتا رہا، نتیجہ ہزارہ جات کے وقت بھی غلط فہمی (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

بجائے شاہزادہ داراشکوہ کو رخصت کرنا پڑا! دارا سے
 ایران کا مقابلہ معمولی چیز نہ تھی۔ اُس زمانہ کی دو بڑی طاقتیں
 دست و گریبان ہونا چاہتی تھیں! شیخ فرید ہم سب سے واپس
 آتے ہی اس مہم پر متعین ہوئے! صوبہ داران متعینہ کی افواج
 مجموعی پچیس ہزار کے قریب تھی اور شاہی فوج، لوہے کے خانہ و کمانچا
 کے علاوہ، پانچ ہزار سوار بر قنداز و کماندار، اور پانچ ہزار پیادہ
 تھیں۔ باندرا تھی! صوبہ داران متعینہ کو رخصت کے وقت بطور
 سفر خزانہ بڑی بڑی رقمیں عطا ہوئیں! شیخ فرید کو بھی اپنے
 منصب کے لحاظ سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ ملا! یہ عطاے شاہانہ تو
 عام تھی لیکن شیخ فرید کے ساتھ جو خصوصیت برتی گئی وہ اس سے

دقیقہ نوٹ صفحہ ۱۱۱) پیدا ہو جانے کی کوشش کرتا رہا، مگر جب کوئی معقول حیلہ
 ہاتھ نہ آیا تو کھلم کھلا فتح قندھار پر کھڑا ہو گیا! فی الحقیقت وہ عرصہ سے قندھار کے
 لئے رز بے تاب، و شب بے خواب، تھا۔ اس قدر زہم تک رک جانا بھی
 اس وجہ سے ہوا کہ سلطان مراد خاں فرماں روا سے روم نے بغداد کا رخ کیا
 اور صفی شاہ ایران کو اس کے مقابلہ میں مشغول پیکار رہنا پڑا۔ سلطان مراد نے
 بغداد تو فتح کر لیا تھا لیکن فرنگیوں کی نیت بد کی اطلاع پا کر وہ فوراً استانبول
 کی طرف لوٹ پڑا! ادھر میدان خالی ہوا کہ ملک رفته کو شاہ صفی نے قزلباشوں کی
 بڑی تعداد فوج کشی کر چکا تھا۔ پھر اس کے بعد دو سال تک بھی فوج کے
 جمع کرنے اور نقصانات کو پورا کرنے میں مصروف رہا (دقیقہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

علحدہ رہی۔ ان کو نصرت کے وقت علم بھی عطا ہوا، اور پیش ہوا
خلعت اور گھوڑا بھی مرحمت ہوا !

یہ لشکر جبار شاہزادہ داراشکوہ کے ساتھ کابل بسرعت پہنچا اور دیر
نیلاب کو عبور ہی کر چکا تھا کہ صفی شاہ ایران کے اس دارنا پادار
سے کنارہ کر جانے کی خبر ملی ! شاہجاں نے پھر بھی یہ ہی حکم بھیجا
کہ ٹھہر کر تحقیق کرو اور تحقیقات کا نتیجہ بھی وہی نکلا۔ کیونکہ واقعی شاہ
ایران ۱۲ صفر کو شکار میں مصروف، عادتِ محوِ آشامی کے عرصہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۲) شامہ جلوس شاہجاں میں قندھار کا غم کیا اور ستم خاں گرجی سپہ سالار
کو سپاہ گراں کے ساتھ روانہ کیا ! (بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۱)

نمبر ۲۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۳ ! صبح منتخب اللباب خانی خاں جلد اول صفحہ ۵۸۹۔

نمبر ۲۔ رخصت کے وقت تمام منصب داروں کو جو سفر خج کی رفیق ملی تھیں وہ اس حساب
سے ملی تھیں کہ ہر تلو سوار کے منصب دار کو دس ہزار روپیہ اور کم و زیادہ والے کو اسی
حساب سے کم اور زیادہ ! شیخ فرید کا منصب اس وقت ”دو ہزار پانصد سی ذات“ اور
”دو ہزار و پانصد سوار“ تھا۔ شرح مذکور کی رو سے ڈیڑھ لاکھ شیخ فرید کا سفر خج آتا ہے۔
(بادشاہ نامہ جلد دوم ۲۹۵)

نمبر ۲۔ مائثر الامراء کے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰ !

نمبر ۲۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۴ !

ہو گیا تھا اور اُس کا نابالغ بیٹہ شاہ عباس کے خطاب سے
 قزوین میں تخت نشین ہو چکا تھا۔ داراشکوہ کا دانت ہرات
 اور سیستان پر تھا مگر شاہ جہاں کی عالی ظرفی نے ایک خونِ سال
 لڑکے کی ملکیت کا کوئی جزِ نیستِخ کر لینا شایانِ شان نہ سمجھا۔ مجبوراً
 تمام لشکر و امراء کو واپس آنا پڑا۔ منصب داروں کا تمام حوصلہ
 دل ہی میں رہ گیا۔ اہم قندھار نے محض تاختِ کابل میں جنم
 لے لیا!

”سارِج سے پھر تپہ نہیں چلتا کہ

”تاختِ کابل“ سے واپسی

پیشینج فرید، نصرتِ جنگ و لے

نظم دار الخلافہ

لشکر میں متعین ہو کر تم کشمیر پر چلے گئے یا اور کسی مہم میں مصروف
 پیکار ہوئے! ان کا ذکر علیحدہ طور پر اس وقت ملتا ہے جب وہ
 دار الخلافہ اکبر آباد کے ناظم مقرر ہوتے ہیں! اکبر آباد یا یہ تخت ہونے
 کی وجہ سے۔ ظاہر ہے کہ۔ کس قدر مہتمم بالشان شہر تھا اور اُس کی
 نظامت۔ خود غور کیجئے کہ۔ کیسی خاص مرتبہ اور قابلیت انتظامی کی
 چیز ہو گی؟ جو کچھ بھی ہو۔ نظامتِ دار الخلافہ، اور جگہ کی صوبہ داری
 یا تھانہ داری سے بدرجہا ممتاز تھی اور معمولی عزت نہ تھی!

شیخ فرید کا تقریر تو ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ میں بطور ناظم دار الخلافہ ہو چکا تھا لیکن کسی مہم میں مصروف ہونے کی وجہ سے - وہ کسی مہینے تک اپنی جگہ پر نہ پہنچ سکے اور راجہ جسونت سنگھ محض ان کے پہنچنے تک حفاظت کا چارج سنبھالے رہے !

۱۶۔ صفر ۱۲۵۵ھ کو شاہجہاں نے جبکہ وہ بجنپور میں خمینہ ن بٹھا شیخ فرید کو ”منصب سہ ہزاری ذات و ہزارہ پانصد سوار“ کی ترقی سے سرفراز فرما کر نظم دار الخلافہ کے مغرز عہدہ کا چارج لینے کے لئے رخصت کیا ! شیخ فرید جسونت سنگھ کو سبکدوش کرنے کے بعد کم و بیش ایک سال ناظم دار الخلافہ اکبر آباد رہے ، اس قلیل مدت میں کوئی غیر معمولی واقعہ یا فساد دار الخلافہ میں پیش آنا نہیں پایا جاتا - مہم آئندہ کی وجہ سے غالباً اس نظامت کی مدت اس قدر تھوڑی رہ گئی !

بہشتاں فتوحات لاج ۱۷۔ جلوس شاہجہانی -
یعنی آخر ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ -

میں شاہجہاں نے بلخ و بدخشاں کی طرف توجہ کی! اس مہم میں
 نذر محمد خاں جیسے شخص سے مقابلہ تھا اور دارائے ایران سے
 بھی چل جانے کا احتمال تھا۔ اس لئے شاہجہاں نے غیر معمولی
 انتظام کے ساتھ بہت بڑی طاقت شاہزادہ مراد بخش کے ساتھ
 روانہ کی! اس کل لشکرِ جزائر پر امیر الامراء علی مردان خاں افسرِ عالی
 کے طور پر تھا اور چیدہ چیدہ امراء و منصب داروں کے
 علاوہ سات بڑے سردار ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کے
 ساتھ بجائے خود سات سات امیر نامی مقرر ہوئے تھے۔ گویا
 ہر سردار سات امراء نامی کا بجائے خود افسر تھا! شیخ فرید
 اور ان کے بھتیجے کشور خاں کے لڑکے شیخ الہ دیا بھی جو پہلے
 سے منصب داران شاہی کی فہرست میں آچکے تھے متعین ہوئے!
 شیخ فرید کے اُس زمانہ کے پولیشن کی نسبت اس قدر کم دینا کافی
 ہو گا کہ یہ ان سات سرداروں میں سے تھے جن میں سے ہر ایک
 کی ماتحتی میں سات سات امراء نامی متعین ہوئے تھے!
 تمام منصب داران و امراء متعینہ کی تعداد ۶۰۰ تھی اور نذر محمد

بالاء سردار اس کے علاوہ تھے! راجپوت فوج پر راجپوت افسر اور مسلمان فوج پر مسلمان سردار مین و بیسا پر علاحدہ علاحدہ مقرر کئے گئے تھے! سات لاکھ روپیہ اور دو ہزار گھوڑے راستہ کا خرچ اور نقصانات پورا کرنے کے لئے بطور حصہ محفوظ کے ساتھ تھے!

کٹلِ طول کے قریب بعض بعض جگہ کمزور اور اپنی برف موجود تھی! بیس ہزار سبیلدار و تبردار و سنگ تراش اس برف کو توڑنے پر مقرر ہوئے؛ تمام افواج اور کارخانہ جات کے ٹکٹے ٹکٹے ایک ہفتہ گزر چکا تھا! خسرو خاں - نذر محمد خاں کا دوسرا لڑکا - جو بدخشاں اور قندھار میں تھا اور بک پٹھانوں کی تاخت و تاراج سے تنگ آکر خود شاہزادہ کی خدمت میں بغرض اطاعت حاضر ہو گیا! پہلا و شاہی بہت آگے بڑھ گیا تھا اور قلعہ کھمرو پر یورش کر رہا تھا! قباد اس قلعہ دار پورے مقابلہ و کوشش کے بعد پانسوا دہاک کے ساتھ مطیع ہو کر طالبِ امان ہوا! اور بکلیہ گروہ جو خسرو خاں کے چلے جانے کے وقت سے قندھار میں لوٹ مار اور بد امنی پھیلا رہے تھے افواج شاہی کی خبر سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور قندھار اس طرح بہ آسانی فتح ہو کر ہم بدخشاں تکمیل کو پہنچ گئی!

نذر محمد خاں بلخ نہیں تھا اور اُس کی نیت فاسد کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ بدخشاں کے بعد شاہزادہ نے بلخ کا رخ کیا اور فی الحقیقت یہی مہم سخت اور مشکل تھی۔ افواج شاہی سرعت کے شاہ مردان تک پہنچ گئی۔ یہاں بہرام خاں اور سبحان قلی خاں۔ نذر محمد خاں کے لڑکے۔ استقبال کے لئے حاضر تھے! شاہزادہ نے شہر کے باہر نیمہ زن ہو کر نذر محمد خاں کو اپنے پاس طلب کیا اور سرداروں کو قلعہ کے اموال و مد اخل و مخارج کے ضبط کا حکم دیا! نذر محمد خاں اس عجلت سے حواس باختہ ہو چلا! شاہزادہ مراد کی دعوت کرنے کے بہانہ سے قلعہ سے نکل کر باغ مراد میں آیا اور لعل و جوہر کمر سے باندھ، زرہ بکتر پہن، موقعہ پاتے ہی چند رفیقوں کے ساتھ صاف نکل گیا! ۱۰۵۶ھ - عرہ جمادی الآخر - وہ تاریخ تھی جب بلخ میں شہنشاہ ہندوستان شاہ جہاں کے نام کا خطبہ پڑھ دیا

بمزم ۳۱۔ شاہ جہاں نے ایک نامہ نصیحت آمیز نذر محمد خاں کو سخت بیگ بخشی کابل کے ہمسایہ روانہ کیا تھا۔ نذر محمد خاں نے اس کے جواب میں بہت کچھ اظہار اطاعت کیا مگر اس حق بیگ نے اُس کی اسلی نیت اور دلی ارادہ سے بادشاہ کو مطلع کر دیا۔ اس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ نذر محمد خاں کی اطاعت کی قبول بظاہر بہت خوشنما ہے مگر باطن کچھ بھی نہیں!

گیا: بلخ کا الحاق تو ہو گیا لیکن لڑائی کا اختتام نہ ہوا۔ بہا درخاں،
 اصالت خاں، اور شیخ فرید نذر محمد خاں کے تعاقب پر مقرر ہوئے!
 ان سرداروں نے سخت مصائب کو برداشت کر کے، نذر محمد خاں
 کو جالیا۔ مقابلہ ہوا اور نذر محمد خاں اندجان کی طرف اور سجان قلی خاں
 بخارا کی طرف، بھاگے! سردار شکست دینے کے بعد ہشتر خاں۔
 یا۔ شیر خاں۔ میں مقیم ہوئے اور شاہزادہ کو اطلاع دی! شاہزادہ
 پہلے ہی سے بد دل تھا اور شاہ بہاں سے درخواست کر چکا تھا
 کہ اس کو واپسی کی اجازت دی جائے: شاہ بہاں نے اُس کو
 روکنا چاہا اور انتظام اس کی ترغیب دلائی مگر مراد بلا حصول اجازت
 چل پڑا: یہ خبر سنی کہ شاہ بہاں نے علامی سعد الدخاں کو مراد کے
 سمجھانے کو بھیجا۔ لیکن مراد نہ مانا اور نہ مانا۔ سعد الدخاں کے ذریعہ
 سے افواج کو بلخ و مفتوحہ علاقہ میں قیام کئے رہنے کا حکم ملا اور
 مراد عتاب شاہ بہانی کے بدولت نے منصب و جاگیر کر دیا
 گیا!

مراد کے واپس چلے آنے سے عالمگیر کے مقرر ہو کر پہنچنے تک،
 کل علاقہ بلخ و بدخشاں پر وہی سردارانِ عالی۔ جن میں سے
 ہر ایک کے ساتھ سات سات امیر نامی تھے۔ قابض

۱۲۰
 رہے! شیخ فرید اور بہادر خاں خاص بلخ کے نگراں اور قابض
 تھے! دو سال متواتر سرداران متعینہ آئے دن اوزبکوں اور
 المانوں کے جبرگوں سے لڑتے رہے! اوزبک و المان ایسے
 جنگجو قبیلے تھے کہ خاموش ہو جاتا ان کے مذہب میں گناہ عظیم
 تھا! متعبد و مقابلے ہوئے سخت خونریزیاں ہوئیں۔ شب خون
 مارے گئے۔ سب کچھ ہوا اور برابر دو سال تمام سردارانِ مضاف
 کا نہایت پامردی و بہادری کے ساتھ اپنی اپنی جگہ مقابله
 کرتے رہے! اسی اثنا میں ایسا بھی ہوا کہ بعض وقت شیخ

نمبر ۳۲ - علامی سعد اللہ خاں کے پہنچنے کے وقت سے کل علاقہ سرداروں نے
 نگراںی و حفاظت کے لئے آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ چنانچہ قلیچ خاں طالقان میں۔
 رستم خاں اندخود میں۔ سوادت خاں ترمذ میں۔ شاد خاں مینہ میں۔
 راجہ راج روپ قندز میں۔ خیر خاں اشباق میں۔ شیخ فرید محشم خاں اور
 بہادر خاں خاص بلخ میں۔ حفاظت و قیام امن کے ذمہ دار تھے! عالمگیر مہم کا بل پے
 مقرر ہو کر آیا تو تمام امراء کو حکم شہجانی ملا کہ شاہزادہ کی خدمت میں حاضر
 ہوں اور مہم کا بل میں ساتھ جاؤں! (خانی خاں جلد اول صفحہ ۴۱۹ - ۴۸۰
 اور بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۸۰ - ۴۹۰)

فرید جن کو اب مختتم خاں کا خطاب مل چکا تھا۔ تنہا بلخ کے
نگراں و محافظ رہے: ایک مرتبہ عبدالغریز کے اشارے پر
خجہر المان و جنت المان و فولاد سراے نے ۵۰ ہزار کی جمعیت
سے شمشیر خاں تھانہ دارخان آباد کو آگھیرا تو بہادر خاں کو
اُس طرف امداد کے لئے جانا پڑا اور شیخ فرید مختتم خاں بلخ
میں رہ گئے! شہر بلخ کی محافظت اصالت خاں کے تعلق
تھی، اُن کا بھی یکایک انتقال ہو گیا اور ۶۲۲ھ - ربیع الاول ۱۰۴۸ھ
سے مختتم خاں کو حصہ شہر کی محافظت پر مقرر کر دیا گیا! مختصر
یہ کہ شیخ فرید مختتم خاں ۱۰۴۸ھ - یعنی جلوس شاہجہانی کے
بائیسویں سال - تک بلخ میں المانوں اور بکیوں سے لڑتے
اور شہر کی حفاظت میں مشغول رہے: مہم بلخ نہایت
عظیم الشان مہم تھی۔ کتب تاریخ اس کے واقعات مفصل
سے لبریز ہیں: اسی مہم کی وجہ سے شاہزادہ مراد محتوب
ہوا، اسی مہم کے سبب سے آخر میں عالمگیر کی طرف سے
بھی شاہجہاں کی طبیعت کلدہ ہوئی۔ اور اسی مہم کی بدولت

شیخ فرید مختتم خاں بھی عتاب شاہی سے نہ بچ سکے !
 شیخ فرید مختتم خاں مہم بلخ و بدخشاں پر ۱۵۱۵ء
 عتاب شاہی کے آخیں روانہ ہوئے تھے اور ۱۵۱۸ء

تک مصروف پیکار و مشغول انتظام
 امن رہے نہ میں عتاب شاہی نازل ہوا اور واپس بل لائے گئے عتاب شاہی کی وجوہات
 مختلف حضرت نے مختلف بیان کی ہیں ! میں اس جگہ اُن تمام
 تحریروں اور اقتباسات کو محض درج کئے دیتا ہوں جن کو
 اس زمانہ سے تعلق ہے یا جن میں اس کی وجوہات بیان
 کی گئی ہیں ؛ اس اختلاف پر اپنی رائے اور استدلال
 کو آئندہ آنے والے ایک باب کے لئے محفوظ رکھتا ہوں !
 مصنام الدولہ - صاحبِ مائثر الامراء تیموری - رقمطراز
 ہیں :-

۱۵۱۸ء سال بسنت و دوم چوں بعرض رسید کہ
 اور (شیخ فرید) بنا بر فروئی از کتابِ مغیرات
 از رفتن باراجہ پتیل و اس کہ بہ کابل تعین شد ہو

تخلل بجا بردہ از منصب و جاگیر بطرف
گشتہ داخل شکر دعا گردید۔“

صمصام الدولہ تو اس کی وجہ ”افرونی ارتکاب منیرات“
بیان کرتے ہیں، اب خانی خاں نظام الملکی کو دیکھئے کیا
کہتا ہے :-

”شیخ فرید پسر قطب الدین کہ بعد از امور شہین
بہ کوکاب کابل از حکم انحراف ورزیدہ بود
نہ منصب و بے جاگیر نمودہ روزینہ عطا
فرمودند“

ملا عبد الحمید اپنی تالیف ”بادشاہ نامہ“ میں کہیں اس عتاب
کا یا کسی ارتکاب کی افرونی کا ذکر نہیں کرتے! کتب تواریخ
مطبوعہ کے بعد قلمی تواریخ کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کچھ
مطلب حل نہیں ہوتا، البتہ ایک فرمان جو خاص طور پر
اس عتاب سے تعلق رکھتا ہے قابل لحاظ ہے۔ اس کی

عبارت بخسہ ملاحظہ ہو:-

و شہامت شعار۔ بسالت آثار: لایق العنا
والاحسان۔ قابل المرحمۃ والافتنان مجتہد
بہ عنایات سلطانی مسرور و متوج کشتہ بداند
کہ چون از تقدیری و بد سلوکی آں قابل العنا
در درگاہ آسمان جاہ ہر روز مذکورہ بمیان می
آید و جاگیر دارانہ بودن آں قابل المرحمۃ در آنجا
اصلاً راضی نیست۔ و دریں باب مکرر توضیح
دارشاد بہ آں نجابت پناہ فرمودیم۔ کہ نوع
سلوک و وضع ہموارہ پیش گیرد کہ احدے
از و آزرده نشود۔ اثرے براں مرتب شدہ
الحال مے باید کہ نظر بر مصلحت وقت داشتہ

نمبر ۳۶۔ یہ فرمان بھی بڑی کوشش و جستجو کے بعد دستیاب ہو سکا: اکثر فرامین جن کو خواہ
طور سے اس کتاب سے تعلق ہے بعض حضرات کے قبضہ میں ہونے کی وجہ سے نقل تو
درکنار دیکھنے کو بھی نہ مل سکے! مسلمانوں کے اکثر علوم و فنون۔ ہندوستان میں آکر۔ اسی
عادت رازداری اور ناجائز خست کے بدولت معدوم ہو گئے! خدا کا فضل ہے کہ یہ
فرمان اصلی اب ایسے صاحب کے پاس آگیا ہے جو اس خست سے مبرا ہیں: سید محمد
صاحب رئیس شیخ پور اس فرمان پر قابض ہیں!

ترک بودن آنجا نمودہ بدرگاہ والایبایدیابہ
 فچتور رفتہ بہ نشیند والا عنقریب حکم اشرف
 اعلیٰ صادر خواہد شد کہ سید فرید اور آنجا
 بر آوردہ بہ فتح پور برساند * تحریر فی التالیق
 بست و ہفتم شہر رجب المرجب سنہ ۱۲۵۹
 دوم جلوس مہمنت مانوس موافق ۱۲۵۹

اس فرمان پُر مہر دارا شکوہ ابن شاہ جہاں کی ہے اور پشت
 پر ”رسالہ کمترین بند باہاری مل“ تحریر ہے! اس فرمان
 کی عبارت عتاب کی وجہ بدسلوکی و تعدی بتاتی ہے۔ مگر سنا
 ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کے متعلق
 فرمان بالا اپنی نوعیت کی پہلی چیز نہ تھا بلکہ اس سے پیشتر اسی
 کے متعلق اور فرامین مثل برپند نصاح جاری ہو چکے تھے!
 یہ فرمان تو رجب ۱۲۵۹ء کا ہے اور ایک فرمان شیخ عبد اللہ
 کے نام اسی عتاب کے متعلق ذی الحجہ ۱۲۵۹ء کا بھی مل سکا
 ہے جس کی نقل بھی ملاحظہ طلب ہے:-

مشیخت و وزارت پناہ لایق العنایتہ والا احسان

مخلص خاص شیخ عبد الکریم بعنائیت سلطانی مغز
 و سر بلند گشتہ بدانند کہ چوں حکم جہاں مطاع
 واجب الاتباع در باب نقد و جنس نتیجہ الامر
 محشم خاں کہ در بدایوں بودہ شرف نفاذ
 یافتہ بود کہ نقد را در سرکار خاصہ شریفہ ضبط
 نمایند و جنس را بخان مذکور بدہند و از عرضہ
 خان مشار الیہ چنان بعض رسید کہ آن جنس
 ہنوز با و نہ رسیدہ : بنا بر آں حکم عالی صادر
 می گرد کہ آں شیخت پناہ یک کس معتمد را
 نزد مکند اس کروری بریلی بفرستد تا
 آنچه از جنس خان مومی الیہ در آنجا باشد
 تحقیق و تشخیص نمودہ بتمام حوالہ کسان خان
 معز الیہ نماید و نیز گماشتہ ہائے جاگیر اور کہ

دلفیہ نوٹ صفحہ ۱۲۵ شفا الملک - رئیس دہلی کے پاس ہی جس قدر دلچسپی انہوں
 نے میری درخواست طلب فرمان ہذا پر ظاہر کی اُس کا معاوضہ قلم سے نہ زبان سے
 کسی طرح نہیں کر سکتا! کسی گھنٹے متواتر انہوں نے اُن تمام فرامین کی نقول کے اندر
 کیے جو اُن کے قبضہ میں ہیں!

مکند و اس کروری پیش خود نگاہ داشته
 است باید کہ در باب آنہا ہم بمومی الیہ تاکید
 نماید کہ بہ کسانِ ادب پار و تا معاملہ حالے
 خود را از آنہا فہمیدہ بگیرد۔ وریں یاقب غن
 دانستہ تخلف نورزو + تحریر فی التاریخ
 بست و دوم شہر ذی الحجہ سنہ بیست و بیستم
 جلوس مہینت مانوس موافق ۹ سنہ ۱۱۸۷ھ!

اس فرمان پر بھی دارا شکوہ کی مہر ہے! گویا یہ دونوں فرمان نہیں
 بلکہ ”نشان“ ہیں۔ نشان وہ فرمان کہا جاتا تھا جو شاہ وقت
 کی مہر کی بجائے ولیعهد کی مہر سے جاری ہوتا تھا! اس دوسرے
 فرمان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ معتبوب ہو جانے کے بعد
 نہ صرف جاگیر و منصب ضبط ہوا بلکہ محلّشم خاں کا تمام نقد و پیسہ بھی
 ضبط ہو کر خزانہ شاہی میں داخل کر لیا گیا! عتاب ۱۱۸۷ھ
 تک باقی رہا، اور اس زمانہ میں شیخ فرید غالباً شیخوپور میں
 رہے! ۱۱۸۷ھ میں عتاب فرو ہونے پر دوبارہ منصب

”سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار“ مقرر ہوا۔

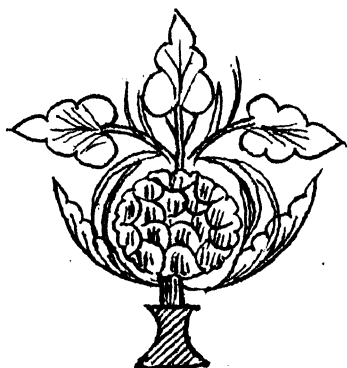
شیخ فرید کی دوبارہ طلبی۔ اور بلا دھوا
 و کوشش معافی کی وجہ زیادہ تر یہ
 بھی نظر آتی ہے کہ جلو شاہجہانی

شورشِ شجاع

کے اکتیسویں سال شاہجہاں عارضہ جس بول میں مبتلا ہوا اور
 حالت خطرناک حد تک پہنچ گئی۔ خود مختار سلطنت میں یہ ہی
 وقت خاندان شاہی یا ورثائے شاہ وقت کے لئے غضب
 کا ہوتا ہے۔ شجاع اور مراد نے اپنے نام خطبہ پڑھوا کر شورش
 میں پیش قدمی کی اور جمعیت عظیم کو لئے ہوئے بہار اور پٹنہ کا
 رخ کیا! داراشکوہ کو ان کے مقابلہ کے لئے پورا لشکر
 فراہم کرنا پڑا۔ اس وقت جو سردار جہاں اور جس حالت میں
 بھی تھے۔ بلا کسی خیال کے بلا لئے گئے اور ہر طرح غذا و وقت
 بڑھانے کی انتہائی کوشش بد نظر رکھی گئی! گمان غالب ہے
 کہ شیخ فرید بھی اسی وجہ سے ۶۷ھ یعنی ۱۳۷۷ء جلوس شاہجہانی
 میں منصب و اعزاز رفتہ پر واپس طلب کئے گئے اور راجہ

جے سنگہ کے ساتھ شجاع کے مقابلہ پر سیلیمان شکوہ
 کے لشکر میں مقرر ہوئے! فریقین کی ٹڈ بھڑ بنارس پر
 ہوئی؛ شجاع تمام کشتیوں اور گھاٹ پر قابض ہو چکا
 تھا اور لشکر شاہی کے ہراول سے ڈیڑھ کوس کے
 فاصلے پر خیمہ زن تھا! شیخ فرید اور راجہ جے سنگہ
 نے راتوں رات، نہایت خاموشی کے ساتھ روانہ ہو کر
 طلوع آفتاب سے قبل، شجاع کو محو خوابِ خرگوش
 اور آلودہ خمارِ دوشینہ جالیا! جب تک شجاع تیار
 ہو کر میدانِ جنگ میں آئے کہ میدان ہاتھ سے جا چکا
 تھا! سپاہ شجاع سرایسمہ اور بھاگنے میں مصروف
 تھی! معاملہ دگرگوں ہو چکا تھا لہذا شجاع بھی بے شکل تمام
 ایک کشتی پر سوار ہو کر دریا دریا بھاگا! لشکر شاہی
 نے تعاقب کرتے ہوئے پٹنہ تک تسلط کر لیا!
 شیخ فرید کو واپسی پر۔ اُن کی جانبازی کے معاوضہ

۱۳۰
میں اخلاص خاں کا خطاب اور پٹنہ کی
صوبہ داری تفویض ہوئی !



دورِ عالمگیری کے معارف

شیخ فرید کے سامنے سلطنتِ ہندوستان تین مرتبہ مختلف ہاتھوں میں گئی! اکبر عرشِ آشیانی کی وفات کے وقت یہ ناوانی کے گہوارہ میں جھولتے تھے؛ جہانگیر کے انتقال پر ۲۹ ویں سال میں شباب کے زیرِ سایہ محوِ اظہارِ شجاعت و لیاقت تھے؛ اور عالمگیری دور کے آغاز پر اپنی عمر کے ۶۰ سال تجربہ و ترقی مراتب کے نذر کر چکنے کے بعد مغرز و تجربہ کار امراء میں سمجھے جانے لگے تھے! تختِ ہندوستان جہانگیر کی آخری سانس آنے کے لمحہ میں جس قدر خطرے میں تھا اُسی قدر شاہجہاں کے عارضۂ جس بول کی انتشار پیدا کرنے والی خبر کے وقت

بھی تھا! داراشکوہ شاہجہاں کا سب سے زیادہ پیارا
 بیٹا تھا لیکن بقیہ تین شاہزادوں کا اسی پیارے ہونے کی
 وجہ سے مرجع حد تھا! اس انتشار آمیز خبر کے ساتھ ہی
 داراشکوہ جو کچھ عرصہ سے عملی طور پر شاہجہاں کی آرٹیں
 عنانِ سلطنت لئے ہوئے تھا اب کھلم کھلا ہر طرح قابضِ تاج و
 بن چلا! شاہجہاں کو وہ شاہ جہاں آباد سے اکبر آباد لے آیا
 اور اس کے ساتھ ہی فی الحقیقت دور شاہجہانی اُسی جگہ چلا گیا
 جہاں اکبر تھا! اگرچہ شاہجہاں تھوڑے ہی عرصہ میں پھر دارالحکومت
 شاہجہان آباد کو واپس آیا لیکن اقبال کے عیوض اس مرتبہ سب
 اُس کی عنان گیر تھی! شجاع پر اس خبر عارضہ ہلکے نے
 بہت جلد اور تیز اثر کیا اور وہ داراشکوہ کی طرف چلے!
 داراشکوہ نے ان ہی کے دفعیہ کے لئے شیخ فرید وجے سنگھ
 کی سرداری میں وہ فوج روانہ کی تھی جس نے جارسِ شجاع
 کو مار بھگایا! سلیمان شکوہ پٹنہ میں تھا، شجاع و مرادنگا
 بارہاں پتھر باہر سرگرم منصوبات تھے، اور نگ زیب دکن

۱۳۳
میں تھا اور معظم خاں سائبے نظیر جرنیل اس کے پاس
پہنچ چکا تھا!

اورنگ زیب ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک
بننے کا عرصہ ارادہ کر چکا تھا: اس وقت اس نے شجاع
و مراد کی عجلت آمیز نا تجربہ کاری کے ساتھ ہی داراشکوہ
کی طاقت کا بھی بہت کچھ اندازہ کر لیا! مہم دکن کو بالائے
طاق رکھ کر اُس نے اپنی قوت تسخیر کے زور سے مراد کو اپنے
ساتھ لیا اور شاہجہاں کی قدیم سی کے بہانہ سے آگرہ کی طرف
چلا! راستہ میں قاسم خاں اور جے سنگھ والی جمعیت کو پراگندہ
کر تا ہوا اکبر آباد سے قریب تہہ تو گیا: داراشکوہ بھی بڑھا
اور ایک ماں جائے دو بھائی سموگٹھ کے میدان پر دست
گریبان ہو گئے! معرکہ بلا کا معرکہ تھا۔ دونوں طرف سے
تخت و تاج کے لئے ”جاں“ بازی تھی! سموگٹھ کا معرکہ
ختم ہوا تو داراشکوہ پنجاب کی طرف آوارہ دشت عریض
تھا، شاہجہاں نظر بند تھا، مراد قید سخت میں تھا، اور

اور ملک زیب عالمگیر بنکر دارا شکوہ کے ملک الموت
کے قالب میں وہلی ہوتا ہوا لاہور اور ملتان کی جانب
سرگرم تعاقب تھا!

شیخ فرید مہم بنارس پر سلیمان شکوہ کے ساتھ تھے
اور وہاں سے ہی اخلاص خاں کے خطاب کے ساتھ
پٹنہ کی صوبہ داری کی خدمات انجام دینے روانہ ہو گئے
تھے۔ مختصر یہ کہ جس وقت عالمگیر دکن سے چلا تھا تو وہ
پٹنہ کے صوبہ دار تھے اور اُن کی پوری جمیعت اُن کے
ساتھ تھی! معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قاسم خاں اور
جے سنگھ کا حال ان کے لئے عبرت انگیز ہوا کہ وہ نہایت
دوراندیشی اور عقل سلیم کی امداد کے ساتھ پٹنہ کی صوبہ داری
پر لات مار کر عالمگیر کے پاس آ حاضر ہوئے اور معرکہ سموگر ٹھہ
میں شہنشاہ کے رمضان میں عالمگیر کی جانب سے
سرگرم پیکار رہے! ان کی اس شرکت کی نسبت کتب
تواریخ میں علیحدہ طور پر تذکرہ نہ سہی مگر

ان کے لڑکے شیخ نظام کے تقرر منصب کا ذکر تو
 موجود ہے جو اسی مہم کی وجہ سے دربار عالمگیری سے
 اوّل اوّل ”یک ہزار ذوات“ اور مدچار صد سوار کے
 منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! یہ ممکن نہیں معلوم
 ہوتا کہ شیخ نظام - جو ہمیشہ اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ
 شریک محامات رہے - تنہا عالمگیری سپاہ میں شریک
 ہوتے اور شیخ فرید اخلص خاں بنے آرام سے ٹپنہ میں
 برا جتے ہوتے!

محاصرہ آگہ باد
 سموگڑھ کے معرکے
 کے بعد سب سے پہلے
 دور عالمگیری میں شیخ فریدؒ نے میں محاصرہ

الہ باد پر خانِ دوراں کی کمک پر دربارِ عالمگیری سے
مقرر ہو کر روانہ ہوئے ! اخلاص خاں کا خطاب ان
کو دربارِ شاہجہانی سے کچھ عرصہ ہوا کہ مل چکا تھا مگر دورِ عالمگیری
میں یہ ہی خطاب احمد خیشگی کو عنایت ہو گیا۔ اسی وجہ سے
ان کو اخلاص خاں سے بڑا خطاب عطا کرنے کی ضرورت
محسوس ہوئی اور عالمگیر نے محاصرہ الہ باد کے تقرر کے
وقت ”احتشام خاں“ کے معزز و ممتاز خطاب سے
سرفراز فرمایا ! دورِ عالمگیری کی تمام کتب تو اس پر اس

بمزم۔ سید قاسم سادات بارہ کے ممتاز اشخاص میں سے تھا اور داراشکوہ نے اس کو
قلعہ دارالہ باد مقرر کر دیا تھا؛ عالمگیر نے خانِ دوراں کو حارس الہ باد مقرر کر کے سید
قاسم کے مقابلہ پر روانہ کر دیا۔ قاسم خاں سے عالمگیر کے ناراض ہونے کی وجہ یہ
بھی تھی کہ وہ اس سے پیشتر راجہ جے سنگھ کے ساتھ عالمگیر کے خلاف صف آرا
ہو چکا تھا؛ قاسم خاں نے قلعہ آخر کار حوالہ بھی کیا تو شجاع کے حوالہ کیا اور داراشکوہ
کے اشارہ سے حوالہ کیا۔ داراشکوہ خود تو پنجاب میں آوارہ و شبتِ غربت تھا
لیکن اب شجاع سے مل کر عالمگیر کی بیخ کنی کے لئے کافی گھوڑے دوڑاتا تھا۔ اسی
کی تحریر پر رام داس قلعہ داربنارس، عبد الجلیل بارہ قلعہ ارچیتا پور، قاسم خاں
بارہ قلعہ ابراہ آباد، نے اپنے اپنے قلعے شجاع کے حوالے کر کے دماغِ زارِ پنجاب
جلد ۲) شیخ فرید بھی اسی محاصرہ میں خانِ دوراں کی کمک پر اول متعین
ہوئے تھے (ملاحظہ ہو عالمگیر نامہ محمد کاظم صفحہ ۱۹۱) (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

زمانہ کے بعد سے ان کو محض اختشام خاں کے نام سے پکاریں! محاصرہ الہ باد میں اختشام خاں، خان دوراں کے ساتھ برابر سرگرم پیکار رہے اور قاسم خاں محصور ہو کر مقابلہ پر تیار رہا۔ کئی مہینے تک یہ محاصرہ برابر جاری رہا اور شجاع کے بنارس پہنچنے پر اس کا خامتہ اس طرح ہوا کہ قاسم خاں نے قلعہ شجاع کے حوالہ کر دیا اور عالمگیر نے محاصرین کو واپس بلا کر شجاع کے مقابلہ کے لئے ذوالفقار خاں اور شہنشاہزادہ محمد سلطان کی جمعیت کے ساتھ مقرر کیا! اسی موقع پر اختشام خاں کے عہدہ ساقی میں ترقی دی گئی اور منصب ”چہار ہزار ذات و سہ ہزار سوار“ مقرر ہوا۔

شجاع نے بنارس سے رقم کثیر ترقی معرکہ شجاع کے ساتھ حاصل کر لی تھی اور پوری طاقت لئے ہوئے عالمگیر کی بیخ کنی پر آمادہ تھا: عالمگیر خود بہ نفس نفیس نوے ہزار کی جمعیت لیکر محمد سلطان کے

شکر سے آملہ: جانبین اُس زمانہ کے فنِ حرب سے واقف تھے، ترتیب عسا کر نہایت اصول اور لیاقت کے ساتھ عمل میں آئی! عالمگیر نے جب ترتیب عسا کر پر توجہ کی تو سلطان محمد کی کل جمعیت کو ہراول میں قائم کیا، اور اسی ترتیب کی رو سے احتشام خاں طرح فوج یا ہراول میں متعین ہو! ۱۶۔ ربیع الثانی ۱۰۶۹ھ اس معرکہ عظیم کے آغاز کا پہلا دن تھا جو تمام تر گولہ باری و بان اندازی میں صرف ہوا: رات ہوئی جب بھی تمام امرا گھوڑوں پر سوار حکم شاہی کے منتظر رہے: معظم خاں رات بھر توپ خانہ کو ہٹا کر نئی جگہ قائم کرنے میں کوشاں رہا: تین گھڑی رات باقی تھی کہ راجہ جیست

بندر ۵۔ عالمگیر کی ترتیب مختصراً یہ تھی: - شاہزادہ محمد سلطان سہ دیگر امرا ہراول میں: ذوالفقار خاں مقدمۃ الجیش میں: شاہزادہ محمد معظم مع دیگر امرا جرنار میں: راجہ جیست برنار میں: احتشام خاں اور سلام خاں طرح فوج میں: میر جملہ معظم خاں عالمگیر کے قریب قلب میں: چند امرا شاہزادوں کے راست و پیچ بطور محافظ: اور بقیہ سردار عقب توپ خانہ! (ملاحظہ ہو عالمگیر نامہ صفحہ ۲۴۶ - نیز منتخب اللباب جلد دوم صفحہ ۴۸ - ۲)

جو غداری کے طور پر ساتھ تھا منافق راجپوت سرداروں کو لئے ہوئے۔ شجاع کے ایماء سے رشب خون مارتا اور لوٹ مار کرتا نکل پڑا: ایک عجیب شور و غل تمام فوج میں یکایک برپا ہو گیا، منافق راجپوت شاہزادہ محمد سلطان کے جیمہ و مال و اسباب کو لوٹتے، ہر مقابلہ کرنے والے کو کاٹتے چھانٹتے عالمگیری سپاہ سے جدا ہو کر شاہ شجاع سے جا ملے: بہت بڑی جمعیت تو شجاع کے ساتھ رہ گئی اور بھڑے راجپوت جسونت کے ساتھ آگرہ کی طرف بھاگ گئے! عالمگیری اس اچانک آفت سے پریشان تو ضرور ہوا مگر اس کے استقلال و ہمت نے مطلق بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا: اکثر بزدل یا مذہب طبعیت والے امراء جی چھوڑ کر رات کی سیاہی میں غلجہ ہو گئے! احتشام خاں ان متعدد جانباز سرداروں میں سے تھے جو عالمگیری کے پہلو میں سے نکل جانے پر مرجانے کو ترجیح دیتے تھے! عالمگیری نے بقیہ افواج کی ترتیب دی تو میر جملہ معظم خاں کو عساکر نبیلا، اسلام خاں کو جسونت کی جگہ مقرر کیا اور احتشام خاں کو ان کی پہلی ہی جگہ پر ہراول میں رکھا! جنگ پھر دوبارہ

شروع ہوئی، پھر بان اندازی و گولہ باری چھڑی، شجاع کی
 سپاہ جسونت کی غداری سے دلیر ہو گئی تھی، سپید عالم
 بارہہ نے تین مست ہاتھیوں کو ریلتے ہوئے سپاہ عالمگیری
 کے جرنیل پر حملہ کیا! مست ہاتھیوں کا حملہ اُس زمانہ کے اسلحہ
 کے لحاظ سے نہایت سخت چیز تھی: اس آفت ناگہانی سے
 بہت کچھ فتور واقع ہوا: عالمگیر نے خود نہایت دلیری کے
 ساتھ اس آفت کو دفع کرنے کے لئے اپنا ہاتھی آگے بڑھایا:
 ابھی جرنیل کی سپاہ سے یہ آفت پوری طرح دفع نہیں ہوئی
 تھی کہ بلند اختر پسر شجاع نے پوری طاقت کے ساتھ جرنیل
 پر حملہ کر دیا اور اب نہایت نازک وقت آ گیا! اسلام خاں
 سردار برنیلو صد مہ بان سے زخمی ہو کر گرے اور تمام برنیلو
 میں لغزش آ چلی! اس نازک وقت میں ہراول کا پائے
 ثبات قطعی نہیں ڈلگایا اور یہ ہی وہ حصہ تھا جس نے
 ایسے انتشار میں سینہ سپر رہ کر تمام محرم کو سنبھال لیا۔ اسی حصہ
 کے سردار احتشام خاں تھے اور آخر تک سرفروشی میں نہایت
 دلیر رہے! عالمگیر برابر برنیلو کے انتشار کو اپنے احکامات سے
 رفع کر رہا تھا اور ہراول کی داد دے رہا تھا: معظم خاں نے

گولہ باری میں ایسا اٹھا کہ اور کوشش ظاہر کی کہ پیالے
 سچے نشانوں نے شجاع کی سپاہ کو بہت کچھ سرسبز کر دیا!
 عالمگیر موقعہ پاتے ہی برنغار کی طرف آیا اور تمام برنغار نے بڑھکے
 حملہ مدافعت کر دیا۔ بلند اختر پپا ہو کر شجاع کے پاس پہنچا،
 عالمگیر فن حرب کا ماہر تھا، وقت کو جانچتے ہی حملہ پرتل پڑا،
 تمام سپاہ۔ اور سب کے آگے ہرا دل۔ قلب شجاع پر ٹوٹ پڑا!
 جنگ مغلوبہ نے دشمنوں کو مغلوب کر دیا۔ مکرم خاں صفوی،
 عبدالرحمن خاں، اور سنجریاگ شجاع سے الگ ہو کر عالمگیر کے
 سایہ میں آگئے۔ انتشار پھیل چکا تھا، دل نے بھی جواب
 دیا: قدم اکھڑے اور شجاع پسماندہ سپاہ کو لیکر بھاگا!
 عالمگیر داراشکوہ کی طرح شجاع کا بھی پوری طرح استیصال کرنا
 چاہتا تھا: مہلت دینی خلافتِ اصول جنگ بھتی، فوراً ہی
 اس نے کچھوہ کے قیام کے زمانہ میں ایک زبردست لشکر
 محمد سلطان کے ساتھ کیا اور میر جملہ معظم خاں کو سر عساکر بنا کر شجاع
 کے تعاقب پر روانہ کیا! اس مہم عظیم پر متعین ہونے والے سرداروں
 میں اخشام خاں بھی تھے جن کو ۲۷۔ ربیع الثانی کو۔ دیگر اہل

کے ساتھ تلوار، اسپ، خنجر اور خلعت سے سرفراز فرما کر نصرت کیا!

شجاع الہ باد سے چلا تو گنگا کے کنارے کنارے چلا! لشکرِ عالمگیری شجاع کے پیچھے پیچھے محمد سلطان کے

تعاقب و مہم
بنگالہ

ساتھ سرگرم تعاقب تھا! الہ باد سے بہادر پور۔ بہادر پور سے پٹنہ اور پٹنہ سے مونگیر۔ کشتی جبکہ شجاع کو دم لیکر ساز و سامان کا انتظام کرنے کی مہلت نہ ملی! مونگیر اور اس کے بعد رنگامانی، دونوں مقامات ایسے تھے کہ ان کی مستحکم جائے وقوع کی بدولت

بممبر ۸۔ مونگیر کے ایک طرف گنگا بہتی تھی۔ دوسری طرف پہاڑ حفاظت کرتا تھا۔ اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کو افغان بادشاہوں نے اپنے زمانہ میں ایک سنگین فصیل بنا کر ناقابلِ عبور بنا دیا تھا! رنگامانی نے بھی قریب قریب ایسی ہی جائے وقوع پائی تھی! مونگیر میں ایک ستارہ کھر کھپور ہو کر آتا تھا جو ان دشواریوں سے پاک تھا اور رنگامانی کے لئے موضعِ بیربھوم کے قریب والا راستہ اصلی چیز تھا! راجہ بہروز زمیندار کھر کھپور شجاع کا حامی بن کر محافظ راہ تھا لیکن شکر شاہی کے پیچھے ہی مطیع ہو گیا: علی ہذا خواجہ کمال افغان زمیندار چاٹنگر بیربھوم پر متعین تھا شاہزادہ کے پہنچنے ہی وہ بھی شجاع کی رفاقت سے ہاتھ دھو بیٹھا: دولہا جگہ بہتہ بلا مقابل مل گیا اور دونوں جگہ شجاع نے اپنی خوش اعتقادی سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۳ پر)

لشکر شاہی کو اچھی خاصی کوشش کرنی پڑتی: مگر قبائل عالمگیر نے
 نے راجہ بہروز زیندار کھر کھپور اور خواجہ کمال افغان زیندار
 چاٹ نگر کو بلا کسی مقابلہ کے حلقہ بگوش اطاعت بنا دیا اور
 شجاع کو رنگامانی بھی چھوڑنی پڑی: اکبر نگر پہنچ کر شجاع سے
 دریا کو عبور کیا اور دوگاچی - یادوگاچی - سے لیکر باقر پور تک
 استحکامات تیار کئے، مورچے بنائے، اور اچھی طرح مقابلہ کے
 لئے کیل کانٹے سے درست ہو گیا: رجب ۹۶۹ھ میں لشکر
 شاہی بھی اکبر نگر سے دوگاچی جا پہنچا: دوگاچی اور باقر پور کے
 درمیان میں دریا کے اندر ایک ٹیلہ تھا جس کو شجاع نے موچے
 مرتفع بنا رکھا تھا: ایک رات کو لشکر شاہی کی بڑی جمعیت
 خاموشی کے ساتھ اس ٹیلہ پر جا اتری۔ مقابلہ ایک شب و روز
 جاری رہا۔ پوری پامردی و شجاعت کے بعد یہ عمدہ موقعہ
 ہاتھ آگیا: اکبر نگر اور دوگاچی کے پاس دریا کا پاٹ بہت
 بڑا تھا: معظم خاں میجر جمہ تھوڑی جمعیت لیکر خود تو اکبر نگر سے
 چودہ کوس کے فاصلہ پر جہانگیر نگر کے قریب مورچہ زن ہوا

اور بقیہ لشکر شاہزادہ محمد سلطان کے پاس اکبر نگر میں چھوڑ
 گیا! شیخ فرید احتشام خاں شاہزادہ کے ساتھ اکبر نگر میں
 رہے! جہانگیر نگر کے قریب فوج دوسری طرف اتارنے کی
 کوشش دو مرتبہ کی گئی لیکن کامیابی نہوز نصیب نہ ہوئی
 تھی کہ برسات آگئی۔ دریائے گنگا نے دن دوئی رات
 چوگنی ترقی کر کے تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا!

اب برسات بھر کوئی فیصلہ کن کارروائی ناممکن تھی! میر حلیہ
 جہانگیر نگر میں، شاہزادہ محمد سلطان اکبر نگر میں، اور شجاع دریا
 کے دوسری طرف ٹانڈہ میں برسات کی وجہ سے مجبور خیمہ زن
 تھے۔ دریائے گنگا فریقین کے درمیان میں لہریں مار رہا
 تھا! محمد سلطان نا تجربہ کار بھی تھا اور نوجوان بھی: شجاع کی
 لڑکی سے کسی زمانہ میں منسوب بھی ہو چکا تھا اور اب میر حلیہ
 کی سرداری بھی اُسے شائق تھی! شجاع کو شاہزادہ کی طبع کدّر
 کا بھی علم تھا اور اپنی صاحبزادی سے سوانست ہونے کا
 بھی: وہ تھا ایک ہی گرگِ باراں دیدہ برسات کو غنیمت

سمجھکر ریشہ دوانی سے نہ چوکا! شجاع کی صاحبزادی کا اچھڑتا ہوا
 پہچلا۔ امیر قلی اور قاسم علی کے توڑ جوڑ اس حد تک کا رگر ہوئے
 کہ محمد سلطان ایک رات کو کشتی میں سوار ہو، چپ چاپ، دوسری
 طرف جا اُترا اور شجاع سے مل گیا! اس واقعہ نے شاہزادہ کی فوج
 میں ہلچل ڈال دی۔ بعض بعض امرا شاہزادہ کے ساتھ دوسری
 طرف اُتر گئے اور اکثر بدول ہو کر اپنے اپنے وطن واپس چلے گئے!
 میر جملہ کو خبر ملی تو وہ ماہی بے قرار کی طرح سولی سے اکبر نگہ پنچا اور
 دل شکستہ سپاہ کی ہمت بڑھاتا رہا! اس میں شک نہیں
 کہ میر جملہ اور اس کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے چند سردار
 ہی وہ نفوس تھیں جن کی پامردی نے سلطنت عالمگیری کی
 از سر نو بنیاد ڈالی ورنہ معاملہ قطعی دگرگوں ہو چکا تھا اور شجاع کا
 پلہ ہر طرح بھاری تھا! اکبر نگہ میر جملہ کے ہاتھ سے نکل گیا، بہت
 دیر تک پسماندہ لشکر پناہو گیا، لیکن میر جملہ اور اس کے
 سرداروں نے جن میں احتشام خاں بھی تھے۔ نہ مٹہ موڑا
 نہ ہمت چھوڑی! عالمگیر نے خبر پاتے ہی داؤد خاں اور
 دیر خاں کی کمک فوراً روانہ کی اور اب پھر لشکر شاہی کے
 پانوں جھمنے لگے! برسات کا پورا موسم اسی رو و کد میں سبوتا

مہینہ بھرت تک حملے اور جوابی حملے ہوتے رہے۔ فتح فریقین کے درمیان میں تقدیر معلق کی طرح بنی رہی! کوہک کے پہنچتے ہی لشکر شاہی نے اکبر نگر لیا، کھوئے ہوئے مورچے لے لے، اور آئے دن تمام معجزہ پرویز برکے شروع کر دئے ابرسات کے اختتام کے ساتھ اقبال شجاع کا خاتمہ نظر آنے لگا! محمد سلطان مجبور و سب، غرق لذت وصال، رہا اور کافی عرصہ تک رہا! مگر برسات کا مطلع صاف ہوتے ہی آنکھ کھلی تو معاملہ دگرگوں نظر آیا۔ انجام بُرا تھا اور بُرا ہی سو جھنے لگا! اسلام خاں کو اشارہ کیا اور خاموشی سے ایک روز جیسا گیا تھا ویسا ہی واپس آگیا! شجاع کی ہمت ٹوٹ گئی۔ میدان تنگ ہوا۔ شکست ہی شکست نظر آنے لگی! لشکر شاہی نہایت بہادری کے ساتھ دریا کو عبور کیا اور ماندہ سپاہ کو آگے دھر لیا! شجاع کا پاؤں اکھڑا اور وہ پھر بھاگا!

عالمگیری کی سخت گیر پالیسی ممکن نہ تھا کہ شاہزادہ کو کورا چھوڑ دیتی! محمد سلطان حکم عالمگیری کے بموجب فدائی خاں کی حرارت میں روانہ ہارگاہ عالم پناہ کیا گیا: محمد سلطان قلعہ سلیم گڑھ میں مقید ہوا۔ ارادت خاں، امیر قلی اور قاسم علی اپنی شرارت

کی نذر ہوئے !

گوشہ گزینی

محمد سلطان کی ناعاقبت اندیشی کی یاد اس
جو کچھ اُس نے اور اُس کے افترا پردازوں
نے بھگتی وہ تو ظاہر ہے، لیکن اس واقعہ
کے بعد سے محمد سلطان کے ساتھ متعین ہونے والے تمام امرار
میر جملہ کی عینک سے مشکوک نظر آنے لگے ! اسی وجہ سے
شیخ فرید احتشام خاں بدول ہو گئے اور اکبر نگر، جہانگیر نگر اور
ٹانڈہ کی فتوحات کے بعد دست تاج و تخت سے دست کش
ہو گئے ! کتب تواریخ مطبوعہ اس عارضی علیحدگی کا اشارہ بھی
ذکر نہیں کرتیں اور اس لئے پتہ نہیں چلتا کہ کس مہینے اور
سنہ میں وہ دست کش ہوئے ! قلمی تواریخ میں اس علیحدگی
کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن یہ غلطی کی ہے کہ اس علیحدگی کو مستقل
استغفا بنا دیا ہے حالانکہ آئندہ کے واقعات مستند کتب
تواریخ میں پھر ان کو سرگرم خدماتِ سرفروشی بتاتے ہیں !
یہ مسلمہ ہے کہ گوشہ گزینی کے زمانہ میں وہ شیخ پور میں رہے
اور خاموش رہے ! اس دست کشی کی مدت کم و بیش ایک
سال نظر آتی ہے ! فی الحقیقت نہ تو احتشام خاں مستحب

ہوئے تھے اور نہ مشکوک سمجھے جانے کے قابل تھے: دست کشی ان کی اپنی طبیعت کی احتیاط اور خود داری تھی: ایک سال کے اندر کئی مرتبہ اُن کی طلبی ہوئی لیکن ہر مرتبہ غالباً انھوں نے کچھ نہ کچھ عذر کیا۔ بالآخر عالمگیر نے تاج خاں کے ہمدست ایک شفقہ روانہ کیا جس کی عبارت معنی خیز کا ایک ایک لفظ بجائے خود قابل ملاحظہ و غور ہے :-

”میشخت پناہ۔ رفعت و نجابت دستگاہ۔

نتیجۃ الاکابر، خلف الامجد۔ فرزندِ اعزّیٰ

شیخ فرید و پناہ خدا بودہ بعافیت باشند۔

بعد از سلام عافیت فرجام معلوم آن فرزند بودہ

باشد کہ ہنوز وقت آں نرسیدہ کہ ترک

منصب دنیا کردہ گوشہ نشینی اختیار نمایند۔

بہنرا۔ یہ فرمان تمام فرامین سے زیادہ دقیق اور بیش بہا چیز ہے! عالمگیری ہونے کی حیثیت سے بھی، پُر معنی و وزنی ہونے کی وجہ سے بھی، اور سب سے زیادہ اس لحاظ سے کہ اس پر عالمگیر کے قلم کی چند معروف سطرین عجیب قابل قدر تبرک موجود ہے! اس شفقہ اصلی کے قبضہ کا فخر بھی خان بہادر حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب شفقار الملک کو حاصل ہے جنہوں نے دربار (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

ہر کس شمارا بایں طریق تر عیب دادہ دانستہ
 باشید کہ دوستی نہ کردہ است . چہ معنی دارد
 کہ شما از خانہ زادانِ خوبِ ایں در گاہِ آسمان
 جاہ بودہ باشید . دریں وقت کہ اولِ جوانی
 و روز تزد و و کار طلبی شماست خود را بر کیا نیدہ
 گوشہ گیرند . غرت آثار تاج خاں را بخد مت
 شما فرستادہ کہ شمارا بنصائح و پذیرا زین ارادہ
 باز آورده باشما بحضور آید . اللہ! اللہ! گفتہ
 اورا گفتہ اینجا نب دانستہ بہبود و خیریت
 خود را منظور داشتہ بزودی خود را بحضور رسانند
 کہ در اشفاق و مہربانی انشا اللہ تعالیٰ دقیقہ
 نامرئی نخواہد ماند و خاطر اینجا نب را بغایت الثابت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸) شاہنشاہ معظم جارج پنجم کے موقعہ پر ایشیائے قدیم کی نمائش میں
 اس شفقہ کو رکھا تھا اور عالمگیر کے خط و قلم کا نمونہ نادر ہونے کی وجہ سے غرت اور قدر کی
 نگاہ سے دیکھا گیا تھا! اشفاق الملک صاحب کو اس نادر بیش بہا چیز پر جس قدر فخر ہو گیا
 ہی! میں اُن کی عنایت و احسان سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے
 شفقہ کی نقل دینے میں فراخِ حوصلگی سے کام لیا! جو سن!

۱۵۰
متوجہ انتظام احوال خیر مال خود دانند: زیادہ
چہ نرید۔ توفیق رفیق باد۔ ۸ آبان ۱۳۳۵
نوشته شد!!!

اس شفقہ کی پشت پر آصفیاں کی مہر ہے۔ اور حاشیہ پر خود
شاہنشاہ عالمگیر کے قلم کی چند سطریں بطور محرف درج ہیں جو
اس شفقہ کی وقعت کو دوبالا کرنے کے ساتھ حکم طلبی کو نہایت
زور دار بنا دیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

”اقبال آٹھارا۔ اصلاً مطلب ایساں ایں
ارادہ نامعقول کہ پیش گرفتہ معلوم نشد۔ اگر از
ملاحظہ نامہ ربانی ایجاب است خطائے
محض است۔ ماوریں مدت اقتدار و اعتبار
بکدام دشمن خود در مقام انتقام شدہ ایم کہ
بہ نسبت آں فرزند بے اعتنائی مے نمودہ باشم
و تقصیرے کہ از اں فرزند بظہور رسیدہ کلام
است کہ ایں ہمہ و اہمہ بخاطر اہمیدہ ہند بہ
زینہار از ہیچ ممر چیزے بخاطر نہ سائیدہ بزودی
روانہ دگاہ خلایق پناہ گردند۔ زیادہ چہ

نویسد۔ العافیۃ بالعافیۃ۔ والسلام۔“

عالمگیر جیسے شاہنشاہ ہندوستان کا شفقہ۔ تلج خاں کے
ہمدست۔ اور اس سب پر طرہ وہ چند محرف سطریں جو عالمگیر
کی ہمہ گیر لیاقت و مافرمائی کا نہایت مختصر نمونہ ہیں۔ ایسی معمولی
چیز نہ تھیں کہ احتشام خاں کو کشاں کشاں نہ بلا لیتیں۔ اشفقہ کے
الفاظ ”اللہ اللہ! گفتہ“ اور ”الفتہ“ اینجانب دانستہ بہبود
و خیریت خود را منظور داشتہ“ کیسے وقیع اور حکم آمیز ہیں۔

خود مختار عالمگیر کے شفقہ میں یہ چند الفاظ شاہجہانی فرامین کی
چند سطروں سے زیادہ خالیف کن ہیں: لیکن عالمگیر اس زوردار
جملہ کو اپنے قلم کی چند سطروں میں ”تقصیرے“ کہ ازاں فرزند
رسیدہ کد امست کہ ایں ہمہ و اہمہ بخاطر راہ میدہند؟“
کے ملائم الفاظ سے، اور ”اقبال آتارا“ اور ”فرزند“ کے
محبت آمیز خطابات سے، کس خوبصورتی و لیاقت تحریر کے
ساتھ سمو دیتا ہے! جو کچھ بھی ہو شیخ فرید اس شفقہ معنی لبریز
کے بعد فوراً ہی واپس گئے اور ضرور گئے! اشفقہ مذکور سہ
جلوس عالمگیری کا ہے اور کتب تواریح کی رو سے سنہ ۱۰۲۷ھ
میں۔ یعنی سہ جلوس عالمگیری میں۔ ۱۸۔ ربیع الاول کو معظم

میرجلہ دو ٹولٹ فوج لیکر ہم آسام پہچلا اور ایک ٹولٹ فوج
مفتوحہ علاقہ جات کی حفاظت کے لئے چھوڑی گئی تو اختشام خاں
بھی محافظ مقرر ہوئے !

۳۔ جلوس عالمگیر میں
شقہ مذکور اختشام خاں کو ملا
اور ۳۔ جلوس ہی میں ان کا

محافظت جہانگیر نگر

تقرر بطور محافظ جہانگیر نگر ہوا : وہ شقہ کے بعد ہی واپس گئے اور
واپس جاتے ہی ان کا تقرر بطور محافظ جہانگیر نگر ہوا۔ ہوا اور غالباً
شقہ کے آخری جملہ : ”خاطر ایجناب ر البانیۃ الغایۃ متوطۃ انتظام احوال
خیر مال خود و اندر“ کے ثبوت میں ہوا۔ جہانگیر بنگالہ کا ایسا
زبردست مقام تھا جس کی مقامی اہمیت اس کو خاص طور
پر محفوظ رکھنے کی حاجت ظاہر کرتی تھی۔ جہانگیر نگر اور اُس کے
گروہ نواح کی سرزمین۔ مملکت بنگالہ کی ساز و سامان فوجی کی مرکز
تھی۔ قریب قریب ہر حصہ ملک کی شاہراہیں اس نواح سے
گزرتی تھیں ! اختشام خاں کا تقرر خود عالمگیر کے حکم اعلیٰ سے

ہوا تھا اور اختصاص خاں، راجہ امر سنگہ نزوی سمیت دیگر
منصب داران احتشام خاں کے تحت میں بطور جماعت
کو مکیان مقرر ہوئے تھے! احتشام خاں جہانگیر نگر سے۔
فتوحات بنگالہ و آسام کی تکمیل پر ۳۰ جولائی ۱۵۸۵ء میں
واپس آکر ۲۲ شعبان کو دولت اندوز زیارت بادشاہی
ہوئے! اس مہم عظیم کی جانفشانی کے صلہ میں ۳۰ جولائی
میں ان کے منصب سابقہ میں ”پانصد سوار“ کا اضافہ ہوا
اور ایک بیش بہا گھوڑا طویلہ خاص سے عنایت ہو کر جاگیر کی
طرف جانے کی اجازت ملی!!

مُحَمَّد دکن
سیواچی کا نام عالمگیری کے زمانہ کے
تمام فساد و شورش میں اس درجہ مشہور ہے
کہ کسی معمولی سے تعارف کی بھی حاجت
نہیں: سیواچی کی داستان تمام مستند کتب توارخ میں
بھری پڑی ہے! سیوا نے اور اس کے مورث ساہو نے

نمبر ۱۲۔ عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۳!

نمبر ۱۳۔ عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۵!

نمبر ۱۴۔ عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۸!

شاہجہاں کی زندگی ہی میں بغاوت و شورش پر کھلم کھلا کر
 باندھ لی تھی: عالمگیر کے تخت نشین ہوتے ہی سیوا جی کے
 خلل و ماغ میں ضرورت سے زیادہ زیادتی ہو گئی اور تخت
 ہندوستان کا خواب اُسے اُٹھتے بیٹھتے نظر آنے لگا!
 جب اس کے مظالم، آزار دہی، اور کج روی کی داستان
 روز افزوں ترقی کرنے لگی تو عالمگیر بھی اُس کے اسناد کی
 طرف مجبوراً متوجہ ہوا۔ جو انتظامات کئے گئے اُن میں راجہ
 جسونت سنگھ کا تقریب بھی تھا۔ جسونت سنگھ کی بغاوت کا
 قصور معاف ہو کر عالمگیری حکم سے اُس کا تقرر دکن کے کل قلعوں
 کی فتوحات اور سیوا جی کی سرزنش کے لئے ہوا تھا۔ لیکن عرصہ
 دراز تک جسونت نہ کوئی قلعہ فتح کر سکے اور یہ سیوا جی کا مقابلہ
 کامیابی کے ساتھ کر سکے! ساتھ ہی ساتھ جسونت پر پوشیدہ
 سازش کا بھی گمان ہو چلا۔ عالمگیر نے اسی وجہ سے جسونت کو
 واپس آنے کا حکم دیا اور بے سنگہ کو ان کے بجائے مہم
 دکن پر معہ احتشام خاں کے روانہ کیا! احتشام خاں پورے

ایک سال بھی اپنے وطن میں آرام نہ لے سکے تھے کہ جسنگہ
 کی کوکاب پرستیں ہوئے اور اس تقرر کے وقت فرمان کے
 ساتھ خلعت گراں بہا بطور مراحم خسروانہ اُن کو بھیجا گیا:
 فرمان صادر ہوتے ہی احتشام خاں مہم دکن پر روانہ ہو گئے!
 لشکر شاہی اورنگ آباد شاہزادہ معظم کی خدمت میں حاضر
 ہوتا ہوا پونا پہنچا! جسوقت سنگہ واپس ہوا اور جے سنگہ
 و شیخ فرید اسی جگہ سیواجی سے مشغول پیکار ہوئے! چیز ناکوں،
 اور دیگر تھانوں کے استحکامات کی ضرورت تھی اور ان سب
 میں چوٹی کی جگہ پونا تھا۔ پونا کا قلعہ سب قلعوں سے زیادہ
 قابل لحاظ چیز اور مضبوط جگہ تھا! ۷۔ رمضان ۱۰۳۵ھ جلوس
 عالمگیری کو جب جے سنگہ قلعہ سا سور کی طرف چلا تو احتشام خاں
 پونا کی حفاظت و استحکامات کے لئے تھانہ دار پونا مقرر ہوئے
 اور رندولہ خاں، بیرم دیو، سیودیہ، زاہد خاں، جانشین خاں،
 خواجہ ابوالمکارم، چار ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ احتشام
 کے تحت میں چھوڑے گئے! پونا کی تھانہ داری کی معزز

۱۵۶

جگہ اور اس قلعہ کی حفاظت کی اہم ذمہ داری احتشام خاں
کی آخری خدمت تھی کیونکہ اسی سال ۱۰۶۵ھ میں عالمگیری
مطابق ۱۶۶۶ء میں پونا ہی میں احتشام خاں عالم قانی
سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے! انا للہ وانا الیہ
راجعون ۵





کل زندگی پر ایک نظر

دیکھو تو دلفریبی اندازِ نقشِ پا!
سوجِ خرامِ یار بھی کیا گلِ کتر گئی!!

نواب فرید شاہؒ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۰ سالہ میں انتقال کر گئے۔
عرشِ آشیانی جلال الدین اکبر کی سلطنت کے اختتام میں کم و بیش
۶ سال باقی تھے جب ان کی روح کا لبدِ خاکی میں مقید ہوئی اور
شاہنشاہِ محی الدین عالمگیر اورنگ زیب کو تختِ ہندوستان
پر جلوہ افروز ہوئے قریب قریب ۸ سال گذر چکے تھے جب
وہ روح مقید پھر آزاد ہو کر عالم بقا کو پرواز کر گئی! گو یا اس روح
کی قیدِ جسمانی کی مدت - یا دوسرے الفاظ میں احتشامِ خاں کی
عمر تقریباً ۶ سال ہوئی! ۱۰۰ سالہ سے وہ خدمتِ تاج و تخت
میں مصروف ہوئے اور آخری سانس آنے تک برابر جاری
پرکرتہ رہے! یعنی ۶۷ سال کی عمر میں سے ۴۷ سال کی مدت

سرفروشی کی خدمات کے نذر ہوئی! عقل و بصیرت کی آنکھ عمر کے ساتھ جس قدر کھلتی گئی اس قدر ان کو نظر آتا گیا کہ نواب قطب الدین خاں جیسا باپ نمک حلائی کے انظار میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ کشور خاں جیسا بھائی نذر جہاں کی فطرت کے نذر ہو چکا تھا۔ اور ان کو جو کچھ کرنا تھا خود کرنا تھا اور بلا سرپرستی و امداد کرنا تھا! تاریخ عالم کے اور ان مشاہد ہیں کہ دنیا کے سربر آوردہ حضرات جن کا نام زندہ جاوید ہے ایسی ہی بیکسی کے عالم میں ہوش سنبھال کر اپنی قوت بازو پر اعتماد کرنے اور اپنی ہی ٹانگوں کے بل کھڑے ہونے کے عامل ہوئے۔ عامل ہوئے اور اس عمل کی بدولت حیات کش مکش آمیز کے جدوجہد میں آخر وقت تک متقل، کامراں اور فخرمند رہے! ہر کلینز کی طرح اپنی زندگی کی گاڑی کے دھکیلنے کے لئے اپنا ہی کندھا لگانے پر مجبور تھے اور اس مجبوری کی بدولت سب کچھ خود ہی کرتے رہے اور کامیابی کے ساتھ کرتے رہے!

اوائل عمر میں قلعہ کی زندگی اور مکتب شاہی کا درس، شاہزادوں کی صحبت اور آصف خاں کی اتالیقی، یہ سب چیزیں قسمت نے

مہیا کیں، لیکن گرد و پیش کی حالت سے پورا پورا امتنع حاصل کر لینے کی صلاحیت ان کی طبیعت نے دکھائی! قدرت نے جو دماغ و دیعت کیا تھا اُس کو صحیح رکھنے اور صحیح طور پر استعمال کرنے کا سہرا ان کے سر رہا!

شیخ فرید کی اور خصوصیات

انتظامی قابلیت میں سب سے زیادہ ممتاز جو بات نظر آتی ہے وہ انتظامی

قابلیت ہے! انتظامی قابلیت ایک ایسی چیز ہے جس کے مرتبہ اور فرائض کے لحاظ سے دو حصے اعلیٰ و ادنیٰ کئے جاسکتے ہیں! ادنیٰ کے لئے کارکنی اور اعلیٰ کے لئے کارفرمانی زیادہ موزوں الفاظ ہو سکتے ہیں! کارکن اور سپاہ میں وہی فرق ہے جو ایک سپاہی اور ایک سردار سپاہ میں، یا ایک کام کرنے والے اور ایک کام لینے والے میں ہوتا ہے! یہ دونوں باتیں فی الحقیقت علیحدہ علیحدہ چیزیں چیزیں ہیں! ہر جانباز سپاہی اعلیٰ درجہ کا جنرل نہیں بن سکتا! کارفرمانی کی قابلیت بذات خود ایک خاص چیز ہے اور تجربہ و تعلیم اس قابلیت کو عدم محض سے وجود میں نہیں لاسکتا!

شیخ فرید کو اپنی اس قابلیت کے اظہار کا موقع نہ ملے گا۔ میں
 ملاحظہ رہا وہ ناظم بد اوں مقرر ہوئے! تیرہاں محال والی سرکار
 بد اوں پر بائیس سال کے نوجوان کا عامل مقرر ہونا۔ ایک ایسی
 بات تھی جس سے یقین ہوتا ہے کہ لیاقت شخصی کو جانچ لینے
 والے دماغ نے اُن کی اس غیر معمولی قابلیت کی جھلک کو اسی
 عمر میں دیکھ لیا تھا: پانچ سال تک اس نوجوان شخص نے عملی طور
 پر اُس قیاس کو صحیح ثابت کر دکھایا! ان کے زمانہ نظامت میں
 سرکار بد اوں میں امن و سکوت اُس پر آشوب زمانہ میں قائم
 رہنا انکی قابلیت کا فرمانی کا ایک زندہ دپلوما ہے جس کے بعد
 اور کسی استدلال عقلی کی حاجت نہیں رہتی! ان کے والد ماجد
 کے نظامت بدایوں میں فساد کا ہونا اور رفع فساد کے لئے کانٹھ
 اور گولا کے ماتحت عمال کا کمک کے طور پر آنا تاریخ میں نظر آتا ہے
 لیکن احتشام خاں کی مدت نظامت بلا کسی فساد و شورش،
 بد نظمی و بد عملی، کے نہایت کامیابی کے ساتھ گزری!

نواب فرید کی تمام تر خدمات
 نظامت بدایوں اور چند اور
 عارضی انتظامات کے علاوہ نجی

جنرل کی حیثیت سے

بھٹیں اور اسی میں ان کی عمر کا بیش بہا حصہ صرف ہوا۔ سپاہی
 کی حیثیت سے نہ کوئی اُن کا تذکرہ کہیں نظر آتا ہے اور نہ غالباً
 وہ کوئی عمدہ سپاہی ثابت ہوئے! مثلاً جس طرح ان ہی کے عزیز
 شیخ کبیر ستم زماں خاں، عثمان خاں افغان کے مقابلہ میں
 سپاہیانہ طور پر بے نظیر ثابت ہوئے تھے شیخ فرید
 اس طرح کبھی ممتاز نہیں ہوئے! البتہ جنرل کی حیثیت سے۔
 سردار کی صورت میں۔ ان کا نام نہایت جلی الفاظ میں نظر
 آتا ہے! تسخیر سنگین میں سب سے پہلے ماتحتی کی حیثیت سے
 جدا ہو کر انھیں ذمہ داری اٹھانے اور اپنی قابلیت دکھانے
 کا موقع ملا۔ پہلے ہی موقع پر جس خوبی کے ساتھ انھوں نے
 ناسک اور اُس کی نواح کو باغیوں سے صاف کر دیا اُسی کی
 وجہ سے آئندہ وہ بذات خود سردار کی حیثیت سے بھیجے گئے
 اور ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے! اہم سُو میں پھر اُن کی مستعدی
 و جانبازی کا ثبوت ملا! تاحث کابل کے بعد نظم دار الخلافہ کا
 بوجھ قریب قریب ایک سال تک سنبھالے رہنے سے ان
 کی قابلیت کا اور زیادہ مشاہدہ ہو سکا! چنانچہ فتوحات بلخ
 و بدخشاں پر متعین ہوتے وقت ان کی حیثیت معمولی سردار

کی نہ رہی تھی۔ یہ امیر نامی یا جنرل سمجھے جاتے تھے، اسی مہم عظیم میں سات سردار نامی معہ اپنی اپنی افواج کے شیخ فرید کی نگرانی میں مقرر کئے گئے تھے اور یہ اُن ساتوں سرداران نامی کے امیر یا کمانڈر تھے! فتوحات بلخ و بدخشاں میں اکثر امرار کا پائے ثبات ڈال گئے اور شاہزادہ مراد تک جی چھوڑ گیا لیکن جو امیر آخر وقت تک سینہ سپر اور محسوس فروشی رہے اُن میں شیخ فرید کا نام بھی صاف نظر آتا ہے۔ خاص بلخ کی نگرانی و محافظت کے لئے آخر تک استقلال کے ساتھ قائم رہنا ایسا فعل تھا جس کا سہرا بادشاہوں اور شیخ فرید کے سر رہا! انھوں نے اس وقت تک قدم پیچھے نہیں ہٹا یا جب تک کہ دراندازی نے شاہجہاں کی طبع عالی کو ان کی طرف سے مکدر نہ کر دیا! دارالاشکوہ کو۔ اس کے بعد۔ شجاع کے مقابلہ کے لئے پھر چار ناچار ان ہی کھیلنا اور جے سنگہ کے ساتھ روانہ کرنا پڑا! بنارس کے مقابلہ نے اخلاص خاں بنا ہی دیا تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں محاصرہ الہ آباد نے احتشام خاں بنا دیا! احتشام خاں نے معرکہ شجاع میں جو بہادری اور بے نظیر قابلیتِ سرواری دکھائی وہ ہر تاریخ میں موجود ہے اور زمانہ کے ساتھ زندہ رہے گی! یہ ہراول میں مقرر ہوئے تھے اور ہراول

ہی وہ حصہ تھا جس نے واقعی شجاع کے مقابلہ میں اورنگ زیب کی عزت رکھ لی: جسوقت کی مکاری سے بد نظمی پھیل چکی تھی، بلند اختر کے حملہ سے برنارڈو لگ چکا تھا اور میدان تقدیر معلوم کی طرح فریقین کی جدوجہد کے ساتھ ادھر سے اُدھر ہوتا جاتا تھا! اورنگ زیب کبھی ہرگز عالمگیر نہ بننا اگر یہ معرکہ دگرگوں ہو جاتا۔ اور یہ معرکہ یقینی دگرگوں ہو جاتا اگر اُس نازک وقت میں ہارول سے بے نظیر شجاعت و جاں بازی کا اظہار نہ ہوتا! اسی ہارول کے سردار احتشام خاں تھے جس کی سرفروشی اور استقلال کی بدولت عالمگیر عالمگیر بنا! عالمگیر کی چشم مرتبہ فہم نے اس قابلیت کا مشاہدہ ہی نہیں سوا نہ کیا اور اسی کی وجہ تھی کہ جب یہ محمد سلطان کے مغلوب ہونے کے زمانہ میں کبیدہ خاطر ہو کر دست کش ہوئے تو عالمگیر نے ان کو نہ چھوڑنا تھا نہ چھوڑا! عالمگیر۔ اس کے بتانے کی ضرورت نہیں۔ ایسا بادشاہ تھا جو سلطنت کی باگ خود اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ہر جگہ اور ہر شخص کو خود سمجھتا تھا اور خوب سمجھتا تھا، فی الحقیقت اس کی سلطنت اس کی اپنی سلطنت تھی، پس پردہ کسی ابو الفضل یا آصف خاں کی حکومت نہیں تھی! احتشام خاں اگر غیر معمولی قابلیت کے سردار نہ ہوتے تو

عالمگیر جیسا بادشاہ ان کی واپسی کا کوشاں نہ ہوتا۔ احکامات نہ بھیجتا۔ اصرار نہ کرتا۔ تاج خاں کے ہاتھ شفقہ نہ بھیجتا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ۔ اُس شفقہ پر اپنے دست مبارک سے ”فرزند“ اور ”اقبال آٹا“ کے الفاظ نہ لکھتا اور کبھی ہرگز نہ لکھتا! عالمگیر نے ان کو واپس ہی نہیں بلایا بلکہ ان کی نازبرداری کی۔ واپسی کے ساتھ ہی ہم بنگالہ پر مقرر کیا تو اس عزت کے ساتھ کہ ہمالیہ گنگا کا منظر کیا

اور اختصاص خاں و راجہ امر سنگہ زوروی کو معہ دیگر منصبداروں کے ان کے تخت میں دیا! آخر زمانہ میں پونا کی تھانہ داری کی عزت بھی ان کی غیر معمولی قابلیت کا فرمائی کی بدولت تفویض ہوئی! ”پونا کی تھانہ داری کیا چیز تھی؟“ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ رندولہ خاں، بیرم دیو سیسودیہ، زاہد خاں، جانشا خاں، اور خواجہ ابوالکلام چارہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ احتشام خاں تھانہ دار پونا کی ماتحتی میں مقرر کئے گئے تھے!! احتشام خاں جب تاک سپاہیانہ حیثیت سے رہے مشہور نہیں ہوئے لیکن سرداری کا موقع ملتے ہی وہ چکنے لگے اور ان کی قابلیت کا فرمائی موازنہ کرنے والی نظر کو کھینچنے لگی۔ جنرل کی حیثیت سے وہ بہت

کامیاب، فخرمند، منتظم، اور شجاع سرداروں میں سے سمجھے جانے
کے قابل ثابت ہوئے !!

پیش بینی

واقعات مستقبل پر اپنی حسبِ حیثیت
پہلے سے امید قائم کر لینا انسان کے
دماغ کا فعل ناگزیر ہے ! لیکن اس امید

کا صحیح ہونا دماغ کے اخذ کئے ہوئے نتیجہ کی صحت پر زیادہ تر
مختصر ہے ! ماضی کے واقعات و نتائج کو علوم متعارف سمجھ کر
حال کی حالت گرد و پیش سے مستقبل کے لئے رائے قائم کرنا
پیش بینی کے نام سے پکارا جاتا ہے ! قوتِ فکر و قوتِ

استنباط جس قدر عمدہ اور صحیح فہم ہوگی اُس قدر پیش بینی بھی ۔ اکثر
بیشتر قریب قریب صحیح ثابت ہوگی ! نواب فرید کی زندگی پر
اس لحاظ سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغ
نے مستقبل کے لئے ہمیشہ صحیح نتیجہ اخذ کیا اور وہ اسی وجہ سے
کبھی ناکام نہیں ہوئے ! مثلاً سب سے اول ہوش سنبھالتے
ہی جہانگیری دور میں نور جہاں اور آصف خاں کی دلی رفاقت
اور اس کی وجہ سے کل طبقہ اعلیٰ کی دو جگہ تقسیم ۔ ان کے
سامنے تھی : نور جہاں کا عملی طور پر سیاہ و سفید سلطنت کی مالک

تھی اور اسی لئے قریب قریب تمام ذمی اثر امرا اس کے گروہ میں تھے؛ عام روش کے لحاظ سے شیخ فرید کو بھی نوزہاں پرستی اختیار کرنی چاہیے تھی، لیکن ان کے دماغ صحیح اور فکر رسائے اُن کو سمجھا دیا کہ جہانگیر کے بعد نوزہاں کا اثر کا لعدم ہو جائیگا اور آصف خاں شاہجہاں کی بدولت کامراں ہوگا! انہوں نے وقت اور موقع سے حتی الامکان پورا فائدہ اٹھایا اور آصف خاں کو خسر بنا کر دوسرا شاہجہانی میں اپنی عزت قائم کرنے کی بنیاد رکھی دوسری مرتبہ پھر شاہجہاں کی سلطنت کے خاتمہ پر داراشکوہ اور عالمگیر کی مخالفت کا اثر تھا! اس وقت بھی بڑا گروہ داراشکوہ کے زیر اثر اور زیر حکم تھا! شیخ فرید اول سے داراشکوہ کے پسندیدہ امرا میں سے نہ تھے چنانچہ شاہجہاں کی سلطنت کے آخری حصہ میں - جس وقت داراشکوہ فی الحقیقت حکمرانی کر رہا تھا - شیخ فرید بلخ و بدخشاں کے مہم کے بعد معزول کر دئے گئے؛ صاحب مائثر الامرا اس معزولی کی وجہ ”افرونی ارتکاب مغیرات“ تحریر فرماتے ہیں اور خانی خاں نظام الملکی - جن کی تالیف منتخب اللباب غالباً صاحب مائثر الامرا کی تاریخ نویسی کا جزو اعظم ہے - انحراف حکم اس کا سبب بیان کرتے ہیں! فرامین مندرجہ بالا کی عبارت

اس کی وجہ تعدی و بدسلوکی ظاہر کرتی ہے اور ان کے علاوہ کوئی اور مفصل تحریر اس واقعہ کی نسبت کہیں نہیں ملتی! صاحب مائثر الامراء کا الزام ایک ایسا انوکھا الزام ہے جس کی تائید کسی دوسری مستند تاریخ یا فرمان سے نہیں ہوتی! ”ارتکاب مغیرات“ ایک ایسی چیز تھی جو اُس زمانہ میں طبقہ امرا میں عموماً اور قلعہ شاہی میں خصوصاً نہ بر عمل تھی؛ جہانگیر نے اپنے ہاتھ سے شاہجہاں کو اس کا مرتکب بنایا۔ اور بنایا ہی نہیں بلکہ اُس کی سلطنت کا جو ہر سمجھ کر ظاہر بھی کیا! محض اس عادت پر اُس زمانہ میں کس کس کو منرا دی گئی تھی جو شیخ فرید کو بھی مغرول کیا جاتا؟ البتہ اس عادت کی اس درجہ زیادتی جو فرائض منصبی کو پورا نہ کرنے کے ضرور قابل لحاظ سمجھی جاسکتی تھی۔ لیکن اگر شیخ فرید اس درجہ ”افرونی“ ارتکاب مغیرات“ میں پیا جالغالم بن گئے تھے تو آئندہ چل کر اس عادت قبیح کا ایک دم ترک ہو جانا بھی اعجاز سے کم نہیں ہے! اس قدر بڑھ جانے کے بعد فیصدی ۵ آدمی بھی مشکل سے نکل سکتے ہیں جو اس کو ترک کر دیں۔ یا ترک کر دینے کا جہاد نفس کریں اور زندہ رہ جائیں، باکار بنے رہیں، زندگی کی کش مکش میں برابر استقلال و بہادری دکھائے جائیں! قلمی تواریخ اور تواریخ مطبوعہ

میں سے ایک بھی سوائے ”ماثر الامراء“ کے۔ شیخ فرید پر ایسا الزام نہیں لگائی: ”مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سوائے اس ایک جملہ کے جو صاحب ماثرا الامراء نے محض منرونی کی وجہ بیان کرنے میں اضافہ کیا ہے اور کہیں اس کی جھلک شیخ فرید کی اگلی یا پہلی زندگی کے واقعات سے نظر نہیں آتی۔ کم از کم میری عقل اس الزام کو بصورت موجودہ ماننے کے لئے تیار نہیں! اب رہا ”اختراف حکم“ اور راجہ متجیل داس کے ساتھ کوہاکا بل پر جانے میں قفل، اس میں حسب قدر بھی اصلیت ہو قابل تسلیم ہے! اس وجہ کو فراہین متعلقہ اور داراشکوہ کی مخالفت کے ساتھ دیکھا جائے تو واقعہ اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے! دونوں فرمان جن کی نقول دوسرے حصے میں دی گئی ہیں ”نشان“ ہیں یعنی داراشکوہ کی مہر سے جاری ہوئے ہیں اور اُسی کا حکم سمجھے جاسکتے ہیں! تاریخ شاہد ہے کہ بلخ و بدخشاں کی مہم پر متعین ہوتے کے وقت شیخ فرید کی پوزیشن ایک معمولی سردار یا منصب دار کی سی نہ تھی! وہ اُن امیران نامی میں سے تھے جن میں سے ہر ایک کے تخت میں سات سات سردار معہ اپنی افواج کے متعین کئے گئے تھے: گویا سات افواج یا امراء کی جمعیت کے کمانڈر این

یا امیر الامرا کی حیثیت شیخ فرید کی تھی: بعد میں ان کو راجہ
 بیتل داس کی ماتحتی میں بطور کمک کے مقرر کیا گیا جو پہلے
 پوزیشن کے لحاظ سے یقینی تنزل تھا: اس تنزل کی کوئی وجہ
 نہ کسی تاریخ میں ملتی ہے نہ قلمی افسانوں میں: جو کچھ بھی ہو، ایک
 وٹہ دار سردار کو چشم زدن میں ماتحت بنادینے سے جو اثر
 اُس سردار پر ہو گا وہی شیخ فرید پر ہوا اور وہ نچرل تھا! اُس
 لحاظ سے جو کچھ اخراجِ حکم اُن سے سرزد ہوا اسی کی بادِ آتش
 انھوں نے بجھکتی! لیکن فی الواقع یہ تمام اخراجِ حکم اُسی
 ناپسندیدگی اور مخالفت پر مبنی تھا جو داراشکوہ کو ان سے
 تھی: ظلم و تعدی، بدسلوکی و اخراجِ حکم؛ اور ایسے ہی پیشمار
 قصور ہر سردار یا حاکم پر اس وقت بہت آسانی سے
 لگائے جاسکتے ہیں جب قوتِ حکم ان کی مغزولی کی
 درپے اور عیب جو ہو! واقعاتِ عالم اس حقیقت امر کو
 ہمیشہ سے ثابت کرتے آئے ہیں اور اب بھی ثابت کرتے
 رہتے ہیں! شیخ فرید بھی اسی کے بدولت معزول ہوئے!!
 خیر! اس مغزولی کے جملہ معترضہ کو علاحدہ کر دیا جائے تو صاف
 نظر آتا ہے کہ اُن کے دماغ نے اس مرتبہ بھی عالمگیر کا ساتھ

ساتھ دینے میں نہایت صحیح پیش بینی اور انجام فہمی کا اظہار
 کیا !! نواب فرید کو داراشکوہ نے مجبوری کے وقت
 شجاع سے مقابلہ کرنے کے لئے دوبارہ بلایا اور فتح بنارس
 کے بعد پٹنہ کا صوبہ دار اور اخلاص خاں بھی بنا دیا۔ عام
 روش اس بات کی مقتضی تھی کہ عبدالجلیل بارہہ قلعہ دار
 چیتا پور اور قاسم خاں بارہہ قلعہ دار الہ باد کی طرح پٹنہ کی
 صوبہ داری پر اخلاص خاں بھی خواب خرم گوش میں رہتے
 اور انجام کی مطلق پروا نہ کرتے ! لیکن اس مرتبہ بھی ان
 کی عقل سلیم اور فکر صحیح نے مستقبل کی نہایت صحیح تصویر ان
 کے پیش نظر کر دی : عالمگیر نے نہ پٹنہ کا رخ کیا تھا اور نہ یہ
 مجبور ہوئے تھے : انھوں نے نہ تو راجہ جسونت سنگھ کی
 طرح رات میں شب خون مار کر غدار ی کی اور نہ مکرّم خاں صفوی
 سبخر بیگ اور عبدالرحمن خاں کی طرح عین کارزار میں ایک
 کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے سے جا ملے۔ بلکہ بالکل صاف طور
 پر صوبہ داری پٹنہ سے دست کش ہو کر عالمگیر کی خدمت میں
 کھلم کھلا حاضر ہو گئے اور سموگر ٹھہ کے معرکہ میں شامل ہوئے !
 ان کی اس علیحدگی کی نسبت کسی مورخ نے ان پر غدار ی کا

الزام نہیں لگایا ہے! عالمگیر کی طرفدار سی اس خود بصورتی کے ساتھ شروع کرنا ان کے دماغ کے معاملہ فہمی اور پیش بینی کی بے نظیر مثال ہے!

نواب فرید میں خودداری کا جذبہ بھی
خودداری غیر معمولی تھا۔ اس کی وجہ سے ایک مرتبہ
 ان کو کچھ عرصہ کے لئے نقصان عظیم بھی
 برداشت کرنا پڑا۔ لیکن مستقل اور راسخ الراء ہونے
 کی وجہ سے وہ نقصان برداشت کرنے کو خودداری کے
 خلاف عامل ہونے پر ترجیح دیتے رہے! خودداری اولوالعزمی
 ایک ہی جذبہ کی دو مختلف صورتیں ہیں! خودداری ہی فی الحقیقت
 وہ چیز تھی جس نے نواب فرید کو داراشکوہ کے انحراف
 حکم پر آمادہ کر دیا اور کل زرقند کی ضبطی اور مغربی عہدہ منصب
 بھی اس سے انہیں باز نہیں رکھ سکی! اس کے بعد عالمگیر کے
 زمانہ میں بھی جب وہ شاہزادہ محمد سلطان کی ہمراہی میں متعین
 ہوئے تھے اور میر جملہ کی عینک سے مشکوک نظر آنے لگے
 تھے تو انہوں نے فوراً خدمات متعلقہ سے دست کشی کی
 اور خودداری کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ عالمگیر جیسے سخت گیر

شاہنشاہ ہند کا خود اپنے قلم سے چند سطریں لکھنا، ”فرزند“
 سے خطاب کرنا، اور اس قدر دلجوئی کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔
 وہ واپس ہوئے تو اس وقت جب ان کو جہانگیر نگر کی حکومت
 تفویض ہوئی! اختتامِ خاں میں استقلال کے ساتھ خود داری
 کا جذبہ ہمیشہ رہا اور کبھی وہ اس کو نظر انداز نہ کر سکے!

حسب و نسب کا تحفظ زمانہ
 ماضی میں سب سے زیادہ
 ضروری سوشل سماج تھا۔

احساسِ شرافت

بلکہ اگر معاف کیا جائے تو اب بھی اُن افراد میں باقی ہے
 جو اس وقت تک اس کے تحفظ میں کامیاب رہے ہیں!
 شیخ فرید کا حسب و نسب بیان کر دینے کے بعد مجھے
 اس کی حاجت نہیں کہ میں اُن کے شرافت آباؤی کو تسلیم
 کے ساتھ ثابت کروں۔ حضرت فاروق اعظم اور بابا صاحب
 کے اسمائے گرامی کسی تعارف یا ریمارک کے محتاج نہیں ہیں!
 نواب فرید کو تحفظِ نسب کا خیال نسلاً بعد نسل اور نثر میں
 پہنچا تھا! اسی احساسِ شرافت کے لحاظ سے ایک کام انھوں
 نے ایسا کیا جو فی الواقع ہر لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے!

تحفظ نسب کا لحاظ اُن کے آباؤ اجداد بھی بدایوں میں آباد
 رہ کر برابر کرتے رہے لیکن بدایوں سے علیحدہ ہو کر محض اپنی
 خاندانی حیثیت قائم کرنا ایک ایسا بے نظیر کام تھا جس کا سہرا
 نواب صاحب مرحوم کے سر ہے! جس خوبی کے ساتھ انھوں
 نے اپنی ذات اور اپنی نسل کو بدایوں کی روزافروز آبادی
 میں غرق ہو جانے سے روکا وہ واقعی خاندانی لحاظ کے علاوہ
 پولیٹیکل نقطہ نگاہ سے بھی نہایت وقیع ہے! بدایوں کے
 مورخین اور عام اصلی باشندوں کو ممکن ہے کہ ان بابر کے
 زمانہ میں آکر آباد ہونے والے چند فاتحین کا عروج و اقتدار
 ناگوار گزرا ہو اور اسی وجہ سے کچھ کج رجحان و مہرے دیکھ کر
 نواب فرید نے بدایوں کو چھوڑ کر شیخوپورہ بسا یا ہو، جو کچھ بھی
 ہو۔ انھوں نے بدایوں کی عام آبادی سے علیحدہ ہو کر اپنے
 خاندان کی جداگانہ حیثیت قائم کرنے میں نہایت بیدار مغزی
 و احساسِ شرافت کا اظہار کیا! کسی مجبوری یا ضرورت شدید
 کی وجہ سے یہ انتقال وطن ناگزیر چیز نہ تھی کہ بلا سوچے سمجھے
 مجبوراً اعلیٰ میں آئی ہو۔ بلکہ بدایوں کے عین اقتدار و نظامت
 کے زمانہ میں نواب فرید نے اس چار ہزار بیگہ زمین کو اپنی

۱۷۴
استدعا پر دربار جہانگیر سے حاصل کیا تھا!

انتخاب مقام

چار ہزار بیگہ زمین - مزرعہ و افتادہ
بالمناصفہ - دربار جہانگیر می سے عطا ہوئی
مختی لیکن اُس کو جس جگہ چاہے پسند کرنا
شیخ فرید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ خاص مقام پسند کرنا بشیخوپور
کے نام سے موسوم ہوا ان ہی کا کام تھا! دریائے سوہتھ
کے کنارے موضع پھلیا کے اونچے کھنڈروں کے ڈھیر
آبادی کے لئے منتخب کئے گئے: اس وقت کسی انجینیر یا
ماہر فن عمارات سے نواب فرید کا رجوع کرنا نہیں پایا جاتا۔
جو کچھ انھوں نے کیا خود کیا اور اپنے ہی دماغ کی امداد سے
کیا! بشیخوپور کی آب و ہوا کسی قرب و جوار کی آبادی سے
بڑی نہیں ہے، بلکہ بالمقابلہ بدایوں سے سال کے اکثر حصوں
میں اچھی رہتی ہے! بشیخوپور کی جگہ کے انتخاب میں نواب
صاحب کے دماغ نے اور بھی زیادہ بیدار مغزی کا ثبوت
دیا! بشیخوپور لب دریا بھی ہے، اونچی جگہ بھی ہے، زراعت
کے لحاظ سے عمدہ زمین بھی رکھتا ہے، اور سب سے زیادہ
خوبی کی بات یہ ہے کہ بدایوں کے بالکل قریب ہو کر بھی

علحدہ ہے اور اپنی جداگانہ ہستی رکھتا ہے! بدایوں سے
 علحدگی اختیار کرنے کے وقت ممکن تھا کہ نواب فرید کوئی
 زمین سہوان کے قریب یا بدایوں سے فاصلہ پر پسند کر لیتے،
 لیکن ان کا دماغ سمجھ رہا تھا کہ پولٹیکل اور لوکل ضروریات
 کے لحاظ سے بدایوں سے بعد بعید بھی نقصان دہ ہے؛
 انھوں نے اپنے خاندان کی جداگانہ ہستی قائم کرنے اور
 تحفظ نسل کے ساتھ ہی بدایوں کے قریب ہونے کی مقامی
 اور معاشرتی اہمیت کو بھی فنا نہیں ہونے دیا! اس انتخاب
 مقام کو آج سے ۵۰ سال پیشتر شاید اس خوبی کے ساتھ نہ سمجھا
 گیا ہو جس قدر کہ اب سمجھا جاسکتا ہے! ”شیخوپورہ کا بدایوں کے
 قریب ہو کر علحدہ طور پر اپنی ہستی باقی رکھنا“ بھی احتشام خاں
 مرحوم کے دماغ بیدار کی فکر صحیح اور بلند پروازی کا نتیجہ ہے!
 احتشام خاں اپنے گھر میں بھی اس قدر کامیاب
 رہے جس قدر گھر سے باہر ملازمت شاہی
 میں! اُس زمانہ میں ہر ذی قابلیت و حیثیت

گھر میں

شخص تعدد از واج کا عملی طور پر ماننے والا تھا: بظاہر ایک
 بیوی پر اکتفا کرنے اور باطن بد نظری اور بد عملی کا مرکب بننے

کو جائز طور پر چار نکاح شرعی کر لینے سے بدرجہا مذموم اور معیوب سمجھا جاتا تھا! نفس حیوانی کو جائز طور پر مطمئن کرنا سوشل نقطہ نگاہ سے بھی استقدر قابل انگشت نمائی نہ تھا جسقدر آج کل مساوات حقوق کے زیر سایہ سمجھا جا رہا ہے! مجھے اس بحث کو چھیڑنا مقصود نہیں ہے کہ پُرانے جائز اور محدود طریقہ ازدواج اور موجودہ ناجائز اور غیر محدود تعیش میں کونسی صورت زیادہ معیوب، ضرر رساں، افزائش نسل کے لئے مہلک اور سوسائٹی کو تباہ کرنے والی ہے! بہر حال اُس زمانہ میں فوت جسمانی اور جذبات حیوانی نسبتاً موجودہ نسل کمزور سے زیادہ قومی اور دیر پا ہوتے تھے اور معقول تعداد لغت و ازواج کی حامل تھی! نوآباد فریڈ نے چار نکاح کرنے کے ساتھ حدود شرعی سے آخری حد تک فائدہ اٹھایا تھا! ایک بیوی خاندانی اور اولاد با صاحب سے تھیں، دوسری آصف خاں اعظم الدولہ کی صاحبزادی تھیں، تیسری ایک شریف النسل افغانی زبی بی تھیں

بہنرا - شادی - اسمائے ازواج - اور خانہ داری کے تمام حالات خاندان شیخ پوری عزیز مطبوعہ کتب نوار پنج سے ماخوذ ہیں !!

جو انھوں نے فتوحاتِ بلخ و بدخشاں میں حاصل کی تھیں، اور
 چوہتی ایک راجپوت تھیں جن سے غالباً مہم سُو کے زمانہ میں
 نکاح ہوا تھا! یہ چاروں بیویاں ایک ہی محسّرے میں جو
 انھوں نے قلعہ کے اندر تعمیر کرائی تھی رہتی تھیں! چاروں
 کو عدل شرعی کے موافق ایک ہی گھر میں اور ایک ہی حالت
 میں رکھنے میں آخر وقت تک نواب فرید کامیاب رہے!
 اولاد پہلی اور اپنے خاندان کی بیوی سے ہوئی۔ یا اعتماد الدولہ
 کی صاحبزادی سے ایک لڑکی ہوئی۔ اور کسی بیوی سے
 کوئی اولاد نہیں ہوئی! اولاد کی تعلیم و غور پر داحت۔ اُس
 زمانہ کے موافق۔ انھوں نے نہایت اچھی کی بلکہ اپنے
 سامنے خدماتِ پسندیدہ پر مامور کر دیا! تمام خاندان کو
 محبت کے ساتھ برتنا اور اُن کی آسائش کو ملحوظ رکھنا چشمِ
 کاشعار تھا! انتظامی قابلیت جو بڑے پیمانہ پر نظامتِ رکار
 دیوں، نظامتِ دار الخلافہ، قلعہ داری، ناسک و بلخ،
 صوبہ داری، پٹنہ، اور تختانہ داری پونا میں بارہا ظاہر ہو چکی
 تھی امورِ خانہ داری میں بھی نہایت کامیاب اور نفع بخش ثابت
 ہوئی! قلعہ کی اندرونی تقسیم۔ باغیچہ، محسّرے اور عام

آبادی۔ پُرانے اصول کے موافق برا بر قائم رہی! تمام انتظامات خاندانی ان ہی کے زیر حکم تھے اور برابر کامیابی کے ساتھ ان کا بند و بست ہوتا رہا! ”بزرگات بابا صاحب“ کا حاصل کرنا اور ان کو پاس ادب کے لحاظ سے اپنے سر پر جگہ دینا ایک ایسا معنی خیز فعل تھا جس سے بیک کر شمع و کار کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے! اول تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ احتشام خاں کو ”نام نیک“ رفتگان“ کا کس قدر خیال تھا اور دوسرے یہ کہ ہر سال بابا صاحب کا عرس ہونے کی بنیاد ڈالنے کے یہ معنی ہیں کہ آنے والی نسلیں اپنے مورث اعلیٰ کی یاد ہمیشہ تازہ کرتی رہیں اور خاندانی خصوصیت کو کسی طرح نظر انداز نہ کر سکیں! اس فعل سے جس قدر حب اسلاف - اور اس کی وجہ سے قومیت - پیدا ہو سکتی ہے محتاج بیان نہیں! بابا صاحب کی اولاد ہندوستان کے اور گوشوں میں بھی بفضلہ اب تک موجود ہے لیکن ہر جگہ عام آبادی میں ملی جلی اور غرق شدہ ہے۔ شیخوپور کی طرح علیحدہ خاندانی ہستی اور مقامی خصوصیت کے ساتھ بابا صاحب سے وابستہ رہنا کسی جگہ نہیں ہے۔ اس بے نظیر قیام شخصیت، جداگانہ شیل حیثیت

اور تحفظِ مرتبہ و نسب کا تمام تر سہرا اُسی ذات سے تعلق رکھتا ہے جو کم و بیش ساڑھے تین سو برس سے اپنے آباد کئے ہوئے قصبہ کے سامنے۔ لبِ دریا ایک روضہ کُنہ میں مجو غراب استراحت ہی!

احتشام خاں کی سینتالیس سالہ خدمات کا تجزیہ نہایت مختصر کے ساتھ کیا جائے تو قریب

دریا درونِ کون

قریب یہ ہو گا کہ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک چھوٹی اور معمولی خدمات بجالاتے رہے۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۳۵ء

تک نظامت سرکار بدایوں کا بوجہ نہایت خوش انتظامی کے ساتھ اٹھایا گئے۔ ۱۹۳۵ء سے آغاز ۱۹۳۸ء تک

بنائے شیخوپورہ اور حصول تبرکات بابا صاحب گنجشکر میں

مصروف رہ کر اولاد بابا صاحب کے لئے ایک خاندانی

و معاشرتی رتبہ علیحدہ طور پر قائم کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء کے

اختتام پر شاہجہاں کے لئے آصف خاں کے زیر سایہ شہر پار

ونور جہاں کے مقابلہ میں، سینہ سپر بنے۔ پھر ساٹ سال

کے سکوت کے بعد ۱۹۶۴ء میں نواحِ دہلی کو باغیوں کے

وجود سے صاف کرنے میں مصروف رہے۔ ۱۲۴ھ سے ۱۲۵ھ تک جھجھکار سنگہ بندیلہ کے مقابلہ میں جنگ آزمائی کرتے رہے۔ ۱۲۵ھ کے آخر میں تسخیر سنگہ میں اظہار شجاعت کیا۔ ۱۲۶ھ میں ناسک کے گورنر مقرر ہوئے اور تمام نواح ناسک میں امن و انتظام پھیلانے میں سرگرم رہے! اسی سال کے آخر میں فساد و جند و ار کے فرو کرنے میں سرگرم رہے۔ ۱۲۷ھ میں بٹنیہ ہزارہ جات میں لشکر کش ہوئے۔ ۱۲۸ھ میں مہم سئیں سر فزوشی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے اور دو سال اسی مہم میں مصروف رہے۔

۱۲۹ھ میں تاخت کابل میں متفرق رہے۔ ۱۳۰ھ میں ناظم دار الخلافۃ اکبر آباد مقرر ہوئے۔ ۱۳۱ھ میں سات امیران نامی کے سردار بنا کر مہم بلخ و بدخشاں پر روانہ کئے گئے اور ۱۳۲ھ تک مشغول پیکار رہے۔ ۱۳۳ھ سے ۱۳۴ھ تک معزول رہے۔ ۱۳۵ھ میں دوبارہ بحال ہو کر بنارس پر شجاع کے مقابل صف آرا ہوئے اور اخلاص خاں کے خطاب کے ساتھ صوبہ دار ٹپنہ مقرر ہوئے۔ ۱۳۶ھ میں معرکہ سموگڑھ میں عالمگیر کی طرف سے ہراول میں مقرر ہوئے

اور محاصرہ الہ باد میں مصروف رہ کر اختتام خاں کا خطاب پایا۔
 ۱۶۹ء میں مہم شجاع میں ہراول عالمگیری میں متین ہو کر بینظیر
 استقلال و شجاعت کا اظہار کیا۔ ۱۷۱ء سے ۱۷۲ء تک
 شاہزادہ محمد سلطان کے ساتھ تعاقب شجاع اور مہم بنگالہ میں
 عرق ریز رہے۔ ۱۷۲ء سے ۱۷۳ء تک میر جملہ کے لشکر
 کی وجہ سے دست کش اور گوشہ گزین رہے۔ ۱۷۳ء سے
 مہم آسام پر روانہ ہوئے اور ۱۷۴ء تک اختصاص خاں،
 راجہ امر سنگہ بزوری وغیرہ منصب داران ماتحت کی کوک
 کے ساتھ محافظت جہانگیرنگر کی ذمہ داری اٹھائے رہے۔
 ۱۷۴ء ہی کے آخر میں سیواجی کے مقابلہ پر روانہ کئے گئے
 اور پونا کی تھانہ داری کے معزز عہدہ پر مقرر ہوئے۔ ۱۷۵ء تک
 پانچ امراء نامی اور چار ہزار کی جمعیت کی سرداری کے
 ساتھ پونا کی تھانہ داری کی باگ بنھالے رہے اور اسی سال
 داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۵
 دور اکبری کے اختتام پر وہ گوارہ خورد سالی میں دنیا سے
 بے خبر تھے؛ دور جہانگیری کے اختتام پر نواب فرید ناظم
 سرکار بداول اور ”ایک ہزار ذات و چار سو سوار“ کے منصب

بن چکے تھے؛ دور شاہجہانی ختم ہوا تو منصب دوسہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار کے ساتھ اخلاص خاں کے خطاب سے صوبہ دار مٹینہ تھے؛ عالمگیری آٹھ سال نے ان کو ”پہار ہزار ذات و سہ ہزار و پانصد سوار“ کے اعلیٰ منصب کے ساتھ پونا کی تھانہ داری تک پہنچا دیا!! جہانگیری فرمان میں ”نتیجہ الامار العظام۔ سلاستہ الاماجد التزام۔ شایستہ تربیت خسروانہ، سزاوار عافیت شاہانہ“ کے خطاب سے مخاطب بنایا گیا ہے۔ شاہجہانی دور میں ”خانہ زاد لایق العنایتہ والمراحم“ اور دوسری مرتبہ ”شہامت شعار۔ بسالت آثار۔ لایق العنایتہ والاحسان۔ قابل المرحمہ والامتنان“ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ سب کے آخذ میں دور عالمگیری کا فرمان ”شیخت پناہ۔ رفعت و نجات۔ دستگاہ۔ نتیجہ الاکابر۔ خلف الاماجد۔ فرزند می اغزی“ کے معزز خطاب سے پکارتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یہ کہ عود شاہنشاہ عالمگیری کا قلم مبارک ”اقبال آثار ا“ اور ”فرزند کے خلوص و عزت آمیز لقب سے یاد کرتا ہے!

یہ عزت و مرتبہ تھا اور یہ خدمات سرفروشی و جاں فدائی تھیں اس شخص کی جس نے اپنی تمام عمر وقف خدمات تاج و تخت کر دینے

کے بعد اپنی آنے والی سسلوں کے لئے ایک سقل اور قابل لحاظ اعزاز و مرتبہ - پولٹیکل، سوشیل، اور خاندانی - ہمیشہ کے لئے چھوڑا! جس نے اپنی عمر کی مدت نہایت کامیابی، ترقی، انتظام، خوش فکری، اور اعزاز کے ساتھ بسر کی، جو اب ڈھائی سو برس سے اپنے آباد کئے ہوئے چھوٹے سے قصبہ کے سامنے بہنے والی ندی کے کنارے پر محو خواب استراحت ہے اور اس کے روضہ بوسیدہ کا گنبد و درو دیوار شکستہ دیووں سے آنے والے کی نظر کو اپنی طرف سب سے پہلے کھینچتا ہے اور شاید سننے والے سے کہہ دیتا ہے کہ ”فاعترو یا اولی الابصار!“

اللہ باقی !

مِنْ کُلِّ فانی !!

اقارب و اولاد

نواب فرید کے عزیز و اقارب کا ذکر اس کتاب کے پہلے حصہ میں جستہ جستہ اکثر آچکا ہے! نظر غور ان مقامات کو اگر دماغ میں محفوظ کر سکے تو خاندان متعلقہ کی عزت و حیثیت کا مجمل سا خاکہ پیش نظر ہو سکتا ہے۔ فرید کے والد ماجد شیخ جیلانی یعنی نواب قطب الدین خاں شیخ غوبو جس پایہ و مرتبہ کے شخص تھے اُس کے لئے تو زک جہانگیر کی محض کافی ہوگی! بادشاہان خود مختار کا کسی کو ”بھائی بیٹے“ کے نام سے پکارنا اُس زمانہ کی معراجِ کمال تھی! جہانگیر عمر میں ان سے بڑھا چھوٹا سہی لیکن شاہنشاہ خود مختار تھا اور شاہنشاہ اپنے رعایا کے پسندیدہ افراد کو ”بیٹوں“ سے بہتر کوئی اور لقب نہ زمانہ ماہی میں دے سکے اور نہ اب وقت حاجت دے سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہر فردِ معزز کو بلا لحاظِ سن خصوصیت و الطافِ خسروانہ کے اعتبار سے بیٹے یا بھائی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جہانگیر

اُسی طرح ان کو ”بھائی بیٹا“ لکھتا ہے جس طرح عالمگیر نواب فرید کو ”فرزند“! قطب الدین خاں پنج ہزاری تھے اور ان کے اقتدار کی تصویر ہم بہت کچھ موقوفہ محل کا لحاظ رکھ کر کھینچ چکے ہیں البتہ بقیہ افراد ہمسفر کی مختصر نوپزیشن یا عزت علیحدہ علیحدہ اب پیش کش ناظرین کیجانی ہے! مائثر الامراء یتیموری اس حصہ میں ہمارے مواد کا جز و غالب ہے :-

یہ نام اکبر و جہانگیر کے
دور میں ایسا ممتاز
اور عزیز نظر آتا ہے

علاء الدین اسلام خاں

کہ شاہی خاندان کو جد اکبر کے مشکل سے دو چار امراء اور اس بابہ کے مل سکتے ہیں جو ہر لحاظ سے ہم پلہ بن سکیں! علاء الدین حضرت سلیم چشتی کے پوتے اور نواب فرید کے ماموں تھے! مصمام الدولہ کے الفاظ ہیں کہ اخلاق مرضیہ کی و فور اور صفات پسندیدہ کی افزونی کے بدولت اقارب و عشائر میں سرفراز تھے، جہانگیر

جنت مکانی سے کوکلتاشی کی نسبت بھی تھی؛ پادشاہی کے منصب اور مخصوص عزت و اعتبار سے مالا مال تھے، علامی قنّامی ابوالفضل کی ہمیشہ ان سے منسوب تھیں! جہانگیر کے تخت نشینی پر اسلام خاں کے خطاب کے ساتھ ”ہنج ہزاری“ منصب مقرر ہوا اور صوبہ دار بہار بنائے گئے! جہانگیر قلی خاں لالہ بیگ کے انتقال پر بنگالہ کی مملکت وسیع کے صاحب صوبہ مقرر ہوئے! عثمان خاں کی سرکوبی کے لئے کمر ہمت باندھی اور شیخ زادوں کے لشکر کے ساتھ ایسا جاننا زانہ مقابلہ کیا کہ ہمیشہ ہمیشہ صفحہ تاریخ پر زندہ رہے گا! عثمان خاں کے سہیصال کے صلہ میں۔ سال ہفتم جہانگیری میں منصب شش ہزاری پر ترقی ہوئی۔ ان کا صلاح و اتقا اس درجہ کا تھا کہ غالباً مدت العمر میں کبھی مسکرومنہی کا ارتکاب اُن سے سرزد نہیں ہوا۔ ان تمام اوصاف کے باوجود صوبہ بنگالہ کی تمام رقاصہ طوائف کو انہی ہزار روپیہ ماہوار پر نوکر رکھا تھا اور ایک سال میں نو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ ان کو دیدیا! فیاضی کی یہ کیفیت تھی کہ ملازم زیور سے بھرے ہوئے خزان لئے کھڑے رہتے تھے اور جس کسی سے خوش ہوتے فوراً خزان الغام میں دیدیتے! تزک المارت

کی یہ حالت تھی کہ جھروکہ و غسل خانہ کی رسوم جو لازمہ سلاطین
 تھیں عمل میں لاتے تھے۔ ہاتھیوں کو لڑانے کے شایق
 تھے۔ لباس میں تکلف نہیں کرتے تھے۔ ان کے دسترخوان
 پر ایک ہزار نفوس کا کھانا لنگہ کے طور پر اٹھتا تھا۔ لیکن خود
 ان کے سامنے جو ارباب جبرے کی روٹی، ساگ اور ساٹھی
 کے چانولوں کا خشکہ رکھا جاتا تھا۔ ان کی ہمت و سخاوت
 نے جو وحاشیہ کی داستان پر پانی پھیر دیا تھا۔ صوبہ دہلی
 بنگالہ کے زمانہ میں اپنے منصب داروں اور نوکروں کو
 دو دو سو ہاتھی بخش دیتے تھے! ہمیشہ ۲۰ ہزار نفوس شیخ زادہ
 سوار و پیادہ کی طرح اپنی فوج میں موجود رکھتے تھے! ان
 کے انتقال کا واقعہ جو ہانگیر نامہ اور توذک جہانگیری دونوں
 میں درج ہے نہایت غیر معمولی اور صرف باطنی کا اعلیٰ نمونہ
 ہے! سال ہشتم جہانگیری میں۔ یعنی ۱۲۲۸ھ میں۔ ان
 کے ایام زندگی اختتام کو پہنچ گئے ان کی نعش فتحپور سیکری کو
 منتقل کی گئی جہاں ان کا مقبرہ عالی اس وقت تک بفضلہ موجود
 ہے! فی الحقیقت علماء الدین اسلام خاں کے کارنامے
 اس لائق نہیں ہیں کہ باوجود اختصار کے تھوڑی سی جگہ میں

۱۸۸
 سما سکیں۔ ان کی زندگی ایک مستقل اور مبسوط سوانح عمری
 کے لائق ہو!

اکرام خاں ہوشنگ
 علامہ الدین اسلام خاں کے
 صاحبزادے اور نواب فید
 کے ماموں زاد بھائی تھے۔

علامی ابو الفضل اکرام خاں کے ماموں ہوتے تھے! اکرام خاں
 آخوند جہانگیری میں قلعہ داری آسیر پر مقرر ہوئے؛ ایک
 مدت تک دکن میں بھی متعین رہے؛ شیر خاں تو نور کی
 صاحبزادی ان کی بیوی تھیں! طبیعت کے لحاظ سے
 سخت گیر تھے۔ اسی سخت گیری کی بدولت جاگیر منصب سے
 علیحدہ کر دئے گئے اور بجائے ”دو ہزاری ہزار سوار“ کے
 نقدی مقرر ہو گئے! افتخوری واپس آ کر حضرت سلیم چشتی قدس سرہ
 کی تولیت مزار پر بقیہ زندگی بسر کر دی سال بسبب و چارم
 میں انتقال کر گئے! ۱۸ چوبیسویں سال سے سنہ جلو شاہجہانی

نمبر ۲۔ اکرام خاں اکوٹ شیخ معظم دونوں کا حال ماثر الامرا میں علامہ الدین اسلام خاں کے
 تحت میں درج ہو۔ ماثر الامرا جلد اول مندرجہ ذیل، نمبر ۱۸ ملاحظہ ہو۔

(مراد ہو)

شیخ معظم
اکرام خاں کے بعد ان کے برادرِ علائی
شیخ معظم روضۃ مقدس کی تولیت
سے سرفراز ہوئے! سال بسبت
ششم جلوس شاہجہانی میں فچپور کے فوجدار سی پر متعین ہوئے
اور ”ہزار کی و ہشت صد سوار“ کے منصب سے بہرہ اندوز
ہوئے! جنگ سموگڑھ میں عین گرمی کا رزار میں نہایت
مردانگی کے ساتھ جان پر کھیل گئے!

مختصر خاں قاسم
علاء الدین اسلام خاں کے
سگے بھائی اور نواب فرید
کے ماموں تھے! ۳

جلوس جہانگیری میں ”ہزاری ذات و پانصد سوار“ کے منصب
پر متعین ہوئے! ۵
سوار میں اضافہ ہوا۔ ۶
۹ میں ”چار ہزاری ذات“ اور ”چار ہزار سوار“ کے

منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! بنگالہ کی رعایا ان کی رشتہ سے کچھ ناراض ہو چلی اور ملک آسام کی تسخیر پر جو فوج انھوں نے روانہ کی تھی وہ بھی شب خون کے نذر ہو گئی ان ہی وجوہات نے جہانگیر کی طبیعت کو متدکّر کر دیا۔ تعلقہ مذکورہ سے تغیر ہوا تھا جہانگیر کے حکم سے مگر ان ہی ایام میں اس عالم فانی سے انتقال ہوا احکم الحاکمین کے حکم سے!

یہ بھی حضرت سلیم چشتی کے پوتے اور نواب فرید کے ماموں تھے! ان کی

معظم خاں شیخ بازید

والدہ نے بھی حبّت مکانی جہانگیر کو دودھ پلایا تھا! عرش آشرافیہ اکر کے اواخر عہد میں منصب دوہزاری سے فائز تھے۔ جہانگیر کی تخت نشینی پر ”سہ ہزاری“ کا منصب اور معظم خاں کا خطاب ملا! سہ جلوس جہانگیری میں دو چار ہزاری ”ذات اور“ دو ہزار سوار، کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! آپ کے بعد صوبہ دہلی پر مامور و مفتخر ہوئے!

مکرم خاں

معظم خاں شیخ بائزید کے لڑکے اور
 علما الدین اسلام خاں کے داماد تھے!
 رشتہ کے لحاظ سے نواب فرید کے

ماموں زاد بھائی ہوئے! ایک مدت تک اپنے خسر اسلام
 کی صوبہ داری کے زمانہ میں بنگالہ میں موجود رہے!
 کوچ ہاجو کی تہم میں نہایت ثابت قدمی کے ساتھ تردد و بلینج کا
 اظہار کیا اور پری چھت زمیندار کو پکڑ کر ناظم کے سامنے
 لائے! اسلام خاں کے بعد جب محترم خاں شیخ قاسم
 صوبہ دار بنگالہ مقرر ہوئے تو ان کی بد مزاجی سے آزدہ
 ہو کر روانہ بارگاہ ہوئے! اسی جلسہ جلوس جہانگیری میں بنگالہ
 کی صوبہ داری خانہ زاد خاں کے تغیر پر ان کو مرحمت ہوئی
 اور ان کے نام فرمان جاری ہوا! مکرم خاں کشتی پر سوار
 ہو کر استقبال کے لئے چلے۔ اسی اثناء میں نماز عصر کا وقت
 آگیا اور انھوں نے ملا علی کو حکم دے کر کشتی کنارہ سے

نمبر ۵۔ مکرم خاں کا حال بھی معظم خاں کے تحت میں ملے گا ملاحظہ ہو! ملاحظہ ہو! مندرجہ نوٹ نمبر ۵!

قریب فریضہ عسرا کرنے کے لئے ٹھہر والی! ہوائے تند و تیز
نے کشتی کو شورش تلاطم کے نذر کر دیا اور مکرم خاں اپنے ہمراہوں
کے ساتھ غریب بحر فنا ہو گئے!

ان کا اصلی نام شیخ
کبیر تھا! علاء الدین
اسلام خاں کے

نہایت قریب کے عزیز تھے؛ عہد اکبری کے عہد منصب داروں
میں سے تھے؛ دو رہا نگیری میں اور زیادہ ترقی کر گئے!
نہایت شجاع اور دلیر تھے؛ اسی کی وجہ تھی کہ خان جہاں لودھی
کو ان کی شہامت و پروہلی پر بڑا اعتماد تھا! جب خان جہاں
فوج جبار کے ساتھ دکن پر متعین ہوا تو اُس نے کل فوج کی پروہلی
پر شجاعت خاں کو متعین کیا۔ یہ عہد ہمیشہ سے سادات بارہا
کو ملتا آتا تھا اور شجاعت خاں ہی سب سے پہلے شخص تھے جو
اس پر مامور ہوئے۔ سادات بارہہ کو اس تقرر سے بہت کچھ

لال ہوا لیکن خان جہاں نے ایک نہ سنی! اس کے بعد شجاع علی
 بنگالہ میں متعین ہوئے اور اسلام خاں اپنے عزیز قریبی کے پاس
 پہنچ گئے! اسلام خاں نے جب عثمان خاں لوہانی کے مقابلہ
 میں سترہ جلوس جہانگیری میں بڑے بڑے امراء نامی کو
 نامزد کیا تو ان سب کی سرداری شجاعت خاں کو تفویض فرمائی!
 جب شجاعت خاں عثمان خاں افغان کی سرحد میں داخل
 ہوئے تو عثمان خاں نشہ نخوت و عزو میں سرشار سطوت و شوکت
 کے ساتھ ترتیب صفوف میں مصروف ہوا اور میدان گرم
 ہوا! ہر فوج اپنے مقابل کی فوج سے گتھ گئی۔ نہایت سخت
 معرکہ ہوا۔ عثمان خاں نے فیل مست جنگی کو سامنے رکھ کر ہراول پر
 حملہ کیا۔ اکثر امراء نامی جن میں نواب فرید کے حقیقی بڑے بھائی
 کشور خاں سردار جہانگار بھی تھے نہایت بہادری و ثابت قدمی
 کے ساتھ مردانہ وار اپنے ولی نعمت کے کام آئے! عثمان خاں نے
 کشت و خون کا مطلق لحاظ نہ کر کے دوبارہ شجاعت خاں کی فوج
 کے قلب پر حملہ کیا اور شجاعت خاں کے عزیز و اقارب تمام کام گئے
 اسی وقت عثمان خاں ہاتھی کے حوضہ میں بیٹھا ہوا شجاعت خاں
 پر جھپٹا۔ شجاعت خاں نے اول نیزہ ہاتھی کے سر پر مارا اس کے

بعد تلوار کے دوزخم ہاتھی کے منہ پر لگائے۔ پھر جمدھر کھینچ کر دواؤں
 زخم لگائے۔ ہاتھی نے جھلا کر آگے قدم بڑھایا اور شجاعت خاں
 کے گھوڑے کو الٹ دیا۔ شجاعت خاں نہایت پھرتی کے ساتھ
 بجلی کی طرح گھوڑے پر سے کود کر علیحدہ کھڑے ہو گئے شجاعت خاں
 کے جلوہ دار نے اسی ہنگامہ میں شمشیر و درکستی سے ہاتھی پر ایسا
 وار کیا کہ اُس کے گھٹنے ٹھک گئے اور شجاعت خاں نے ساتھ ہی
 فیلبان کو ہاتھی پر سے کھینچ لیا اور جمدھر کا ایسا زبردست ہاتھ ہاتھی
 کی سونڈ پر مارا کہ وہ چیٹنا جنگھاڑتا چند قدم پیپا ہو کر گر گیا۔ عثمان خاں
 کے ہوش و حواس غائب ہو چکے تھے پیام اجل ایک تیر کی صورت
 میں پہنچا اور پیشانی میں تر از وہو گیا۔ کاری زخم کھا کر عثمان خاں
 اپنے خیمہ تک پہنچا تو سہی لیکن آدھی رات کو اُسے وینا سے کنارہ
 کرنا پڑا! دلیناں عثمان خاں کا بھائی اور مرنیہ خاں عثمان خاں کا
 لڑکا خیمہ واسباب کو چھوڑ کر عثمان خاں کی نعش لئے ہوئے بھاگا
 شکست ہو چکی تھی عثمان خاں نے تعاقب کر کے بھاگنے والوں
 کو بھی جالیا! دلیناں کی نجات اطاعت ہی میں تھی؛ عہد و پیمان
 ہوئے اور اُنچا اُس ہاتھی اُس نے شجاعت خاں کی نذر دے! اس
 بینظیر بہادری و شجاعت کے عیوض میں دربار بہانگیری سے

”رستم زماں خاں“ کا خطاب عنایت ہوا اور منصب وجائز میں اضافہ ہوا! چونکہ اسلام خاں نے تمام اسیرانِ جنگ کو روانہ بارگاہ کیا اور اس عہد و پیمان کا جو شجاعت خاں نے اُن سے کئے تھے لحاظ نہیں کیا اس لئے شجاعت خاں کبیدہ خاطر ہو کر بنگال سے چلے آئے! اُن ہی ایام میں صاحبِ صوبگی بہار کا فرمان پہنچا اور وہ بہار کی طرف چلے! جس دن شہر ٹپنہ میں ایک ہتھکنی پر سوار داخل ہو رہے تھے کہ اتفاق سے ایک ہاتھی ڈور پڑا۔ شجاعت خاں گرے۔ پانوں ٹوٹا۔ اور اسی میں دنیا سے ناپائدار سے کوچ کر گئے! کل من علیہا فان!!

نواب قطب الدین خاں
کشور خاں شیخ ابراہیم
شیخ خوبو گورنر بنگالہ کے
لڑکے گویا نواب فرید کے

حقیقی بڑے بھائی تھے! اپنے والد ماجد کی حیات میں ہی خدائے تاج و تخت بجا لانے کے قابل ہو گئے تھے اور ان کی زندگی میں ان ہی کے سامنے موجودات رہے! چنانچہ بنگالہ کی حساب

صوبگی کے زمانہ میں بھی یہ اپنے والد ماجد کی خدمت میں موجود تھے اور جس وقت شیرانگل خاں کے مکر نے ان کے والد ماجد کا خامتہ کر دیا تو یہ ہی اس خبر جگر خراش کو لئے ہوئے واپس آئے تھے! یہ ہی وہ شیخ ابراہیم ہیں جن کے نام سے نواب قطب الدین خاں نے اپنے زمانہ نظامت میں بدایوں میں محلہ ببراہیم پور بسایا تھا جو اب تک اسی نام سے موسوم ہے! سلسلہ جلوس جہانگیری میں پہلے مرتبہ ان کا منصب ”ہزاری سہ صد سوار“ مقرر ہوا اور ”کشور خاں“ کا خطاب عطا ہوا۔ انھوں نے اپنے والد ماجد کی شروع کردہ تعمیر جامع مسجد بدایوں کو قریب قریب تکمیل تک اپنی زندگی میں پہنچا دیا تھا، یہ تعمیر شیخ فیض اللہ چشتی کے عہد میں اتمام کو پہنچی! جامع مسجد بدایوں میں شمالی ستون پر جو کتبہ نثر میں کندہ ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر کا اہتمام نواب قطب الدین خاں کی زندگی میں بھی شیخ ابراہیم ہی کے ہاتھ میں تھا۔

جنوبی ستون پر جو رباعی کندہ ہے اُس میں ”خانِ کشور“ کا نام صاف طور پر موجود ہے اور یہ ہی وہ ”خانِ کشور“ یا کشور خاں ہیں! سلسلہ جلوس جہانگیری میں رہتاس کے

قلعہ دار مقرر ہوئے سب میں ترقی ہو کر دو دو ہزاری دو ہزار
سوار، کا منصب مقرر ہوا! سب میں عثمان خاں افواج
مقابلہ کے لئے شجاعت خاں کی ہمراہی میں روانہ ہوئے
اور سرداری جرنل خاں کے فرائض بہادری و پامردی کے ساتھ
ادا کرنے میں کام آئے!

شیخ ابراہیم کشور خاں
اخلاص خاں شیخ السدیاب
کے لڑکے - یعنی نواب
فرید کے حقیقی بھتیجے

تھے! غالباً کشور خاں کے مارے جاتے ہی دربار جہانگیری
سے ان کا منصب بطور پرورش مقرر ہو گیا تھا: ان کا مفصل
حال مستند کتب تواریخ میں دو شاہ جہانی میں ملتا ہے!
سب جلوس شاہ جہانی میں اپنے چچا نواب فرید کے ساتھ شاہزاد
محمد اورنگ زیب کی فوج میں متعین ہو کر جھارسنگہ بندیلہ کی
تہنیت کے لئے شریک مہم ہوئے! سب جلوس میں ترقی ہو کر

دو ہزار و پانصدی - ہزار سوار "منصب قرار پایا اور کالجری کی
تعلقہ داری عنایت ہوئی! ۱۸۰۰ء جلوس میں تسخیر بلخ و پنجاب
پر شاہزادہ محمد مراد نجبش کے ساتھ نامزد ہوئے اور منصب میں
اضافہ ہو کر "دو ہزار سوار" کا رتبہ اور اخلاص خاں کا خطاب
ملا۔ اس مہم میں بھی یہ فی الحقیقت نواب فرید کے ساتھ تھے!
۱۸۰۱ء جلوس میں حملۃ الملک علّامی سعد اللہ خاں کی تجویز پر
جو شاہزادہ مراد کی واپسی پر بلخ کے بند و بست کے لئے متعین
ہوئے تھے۔ ان کے منصب سابقہ ہیں "پانصد سوار" کا اضافہ
ہوا! ۱۸۰۲ء جلوس میں حکم شاہی کے بموجب شاہزادہ محمد اورنگزیب
سے جدا ہو کر بارگاہ شاہی میں حاضر ہوئے اور علم پیش بہا کے
عطیہ سے سرفراز ہوئے! ۱۸۰۳ء جلوس میں پھر ترقی ہوئی اور
"دو ہزار و پانصدی - دو ہزار سوار" منصب مقرر ہو کر شاہزادہ
اورنگ زیب کے ساتھ مہم قندھار بھیجے گئے! ۱۸۰۴ء جلوس میں پانصدی
کا اضافہ ہوا! ۱۸۰۵ء جلوس میں شاہزادہ اورنگزیب کے ساتھ دوبارہ مہم قندھار
پر روانہ ہوئے اور اسی سال خدمات پسندیدہ کے صلہ میں دربار شاہجہانی سے
نقارہ عنایت ہوا! ۱۸۰۶ء جلوس میں تیسری مرتبہ قندھار پر شاہزادہ داراشکوہ
ساتھ نامزد ہوئے اور خلعت ہی معہ اسٹین لین نفقہ کے عطیہ سے ہم حشموں سے فوق

لے گئے! اس کے بعد قندھار سے رستم خاں کے ساتھ
 بست گام کی تسخیر پر روانہ ہوئے! سلسلہ جلوس میں ملک
 کے ساتھ قلعہ چٹوڑ کی فتح پر نامزد ہوئے! سلسلہ جلوس میں
 معظم خاں کے ہمراہ مہم دکن کی لکھ پور بھیجے گئے اور شاہزادہ
 اورنگ زیب کی خدمت میں پہنچے جو اُس زمانہ میں ناظم دکن تھے!
 اسی زمانہ میں شاہزادہ کی فوج میں شامل ہو کر عادل خانیوں
 کے محاربہ میں نہایت بہادری کے ساتھ لڑ کر ان پر نیزہ کا
 زخم کھایا! ان خدمات غیر معمولی کے ظہور پر سلسلہ جلوس میں
 مدسم ہزاری - ہزار سوار، کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے!
 افسوس ہے کہ ان کا پورا حال کتب تواریخ میں نہ مل سکا اور
 مصمّم الدولہ نے بھی ماثر الامرائین و متممہ احوال الشہداء بملاحظہ نیادہ
 لکھ کر نا تمام ہی چھوڑ دیا! خدا ہی جانے تاریخ کی بربادی کے
 ساتھ کیسے کیسے زندہ رہنے والے نام مٹ گئے! اخلاص خاں
 کا خطاب نواب فرید کو بھی سلسلہ جلوس شاہجہانی میں ملا تھا
 مگر فی الحقیقت یہ خطاب عارضی اور چند دن رہا۔ ان کا اصلی
 اور مستقل خطاب احتشام خاں - یا محشم خاں - تھا! اخلاص خاں کا
 خطاب متقل طور پر شیخ اللہ دیا کا خطاب تھا اور وہ فرامین

۲۰۰
شاہی میں بھی اسی خطاب سے یاد کئے گئے ہیں! بدایوں میں
اخلاص خاں کا روضہ نہایت مشہور عمارت ہے اور یہ نامور شخص
اُسی روضہ میں سوتا ہے جو محلہ براہم پور میں موجود ہے۔ ان کی
مفصل داستان بھی ایک سوانح عمری بنا سکتی ہے مگر ہم نحن
ان کا اقتدار و منزلت ظاہر کرنے کی غرض سے ایک فرمان
شاہی بجنسہ پیش کش ناظرین کئے دیتے ہیں جس کے الفاظ
سمجھنے والے کو بہت کچھ بتا سکتے ہیں:-

منظور الانظار الخاقانیہ - لایق العنایا السیاطینیہ -

مور و مراحم خسرواں - سزاوار الطاف نمایاں -

قابل اقسام عنایت و احسان - شجاعت شعار

عقیدت و اخلاص آثار اخلاص خاں - بوفور

توجہات سلطانی مفتخر و ممتاز گشتہ بداند کہ حسن

عقیدت و صدق اخلاص آل قابل المرحمہ ہواہ

در باطن قدسی موطن بروجہ احسن جلوہ ظهور دارد -

ہنو۔ یہ فرمان بھی بڑی کشش و وقت کے بعد سید محمد صاحب کو دستیاب ہو سکا۔ فی الحال ان ہی
کے قبضہ میں ہے۔ فی تحقیقت فرزین کی فراہی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا پھر بھی بعض فرزند جلیل
قابعن کی حسرت طبع کی بدولت نہ مل سکے! خدا جانے یہ قابل امنوں ہی یا لایق شرم!

کمال توجہ و عنایت نسبت باں شجاعت شعار
 و ایم و از بند ہائے صادق الاخلاص درگاہ والا
 مید اینیم۔ چوں و رینو لا فرمان قضا جریان قدر توانا
 شرف نفاذ یافتہ و حکم والا صادر گشتہ کہ جمعی از جملہ
 بند ہائے بادشاہی تعینات بلخ و آں حدود بود
 اند با نمانا مقرر نماید کہ با جمعیت خود از آپ انک
 گذشتہ و در حسن ابدال بلا زمرت فیض مہبت
 سرفرازی یافتہ روانہ درگاہ معلی شوند۔ آلا لیل اللہ
 را نیز طلب فرمودہ اند۔ باید کہ بموجب حکم جہاں مطاع
 عالم مطیع، روانہ درگاہ آسمان جاہ، کیوان بارگاہ
 گردد۔ توجہ و عنایت خاص را نسبت بخود و
 افزوں شناسد۔ تحریرانی تاریخ ۱۰۵۶ ماہ شوال ۱۲۵۶

مذکور الصدر حالات محض مختصر نوٹ ہیں جو میں نے نواب فرید کے اقارب
 کی عزت و اقتدار کی مجمل تصویر کھینچنے کے لئے کم سے کم الفاظ میں لکھ دیے ہیں
 حالات ہی کا اختصار نہیں کیا ہر بلکہ فی الحقیقت بہت نام نظر انداز کر دیے
 ہیں جو بفضلہ ابتک تاریخ مستند میں زندہ ہیں۔ محض ایسے نام پیشکش
 ناظرین کئے گئے ہیں جو نواب فرید کے نہایت قریب کے عزیز ہیں!

اُن کے دونوں حقیقی بھائی، اُن کے والد ماجد، ان کے ماموں،
 ان کے چچا۔ ان سب کی حالتِ اقتدار و مرتبہ سے نواب فرید کے
 خاندان کا پوزیشن محتاجِ بحث نہیں رہتا! بابا صاحب علیہ الرحمۃ
 کی اولاد کے اکثر و بیشتر نفوس میں نے نظر انداز کئے کیونکہ میرے
 خیال میں وہ نواب فرید کے ساتھ قرابتِ قریبہ نہیں رکھتے تھے!
 مثلاً غلام محمد خاں فوجدار حاجی پورجن کا وطن جو پنورتھا اور جو جنگ
 شجاع میں عالمگیر پر سے تصدق ہوئے، ان کے لڑکے عبدالکیم خاں
 جو متھرا۔ گوالیار اور کرٹھامانک پور کے فوجدار یکے بعد دیگرے رہے
 اور راجپوتوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے، عبدالکیم خاں کے لڑکے
 محمد شاہ الملقب بہ شجاعت خاں بہادر جو عدالت بندر سورت کے دارو
 اور بعد میں نیا پورہ و ہانتہ (سرکار سورت) کے فوجدار رہے اور شاہ
 علیخاں کے خطاب سے ملقب ہوئے، انہوں نے جہاندار شاہ۔
 فرخ سیر اور محمد شاہ تک کا زمانہ دیکھا اور برابر خدمات شاہی میں محو
 رہے، یہ آخ میں منصب پنج ہزاری اور صوبہ داری برار کے مخزنِ عمدہ
 تک پہنچے! ابوالخیر خاں بہادر امام جنگ بھی بہت بڑے اور نام آور

اشخاص میں سے تھے! ان کے بزرگوں کا وطن اصلی میرپور سرکار خیر آباد (راودھ) تھا مگر شکوہ آباد میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے شکوہ آبادی مشہور ہو گئے تھے! ان کے والد شیخ بہار الدین غلام مکان (شاہجہاں) کے عہد میں تعلقہ شکوہ آباد کے منصب دار تھے! ابوالخیر سب سے پہلے منصب ”سہ صدی“ پر مقرر ہوئے اور ایک مدت تک مرحمت خاں کی رفاقت میں شادی آباد مانڈو صوبہ مالوہ میں رہے جس سال نظام الملک آصفجاہ نے مالوہ سے دکن کا رخ کیا یہ بھی ان کی خدمت میں شامل ہو گئے! امر کو سپاہی اور کار ویدہ تھے رائے درست کے بدولت منظور نظر ہو کر بزم مشورت میں داخل ہو گئے اور ”دو ہزار پانصدی“ کا منصب اور خانی کا خطاب معہ جاگیر کے مل گیا: بنی نگر کی فوجداری پر مقرر ہوئے! ۱۳۶ھ میں جب آصفجاہ دکن کی طرف دار الخلافہ سے چلے تو خواجہ جم قلی خاں کو ہٹا کر دھار کا قلعہ دار اور مانڈو صوبہ مالوہ کا فوجدار ان کو مقرر کیا! رفتہ رفتہ ”چہار ہزاری“ اور ”دو ہزار سوار“ کے منصب اور بہادری کے خطاب سے بہرہ اندوز ہوئے! علم و فقاہ بھی خطا ہوا! گاہے گلشن آباد کے فوجدار۔ لختہ خاندیس کے نائب اور چندے بکوانہ کے فوجدار رہے! اس کے بعد شیر بہادر کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ اور اس کے بھی بعد نظامت خاندیس پر مقرر ہوئے!

صلاہت جنگ کے ساتھ خدمات پسندیدہ کے اظہار پر
 ان کے منصب میں اضافہ ہو کر ”بیچ ہزاری“ اور ”چار ہزار
 سوار“ مقرر ہوا۔ پاکلی جھالرد اعطا ہوئی اور امام جنگ کا خطاب
 ملا! مرہٹہ قوت سے کرناٹک پر خوب خوب لڑے ہیں:
 علی مذاق سے بھی بے بہرہ نہ تھے ^{۶۶} اللہ حد میں انتقال کر گئے!
 ان کے لڑکے ابوالبرکات خاں بہادر امام جنگ اور شمس الدولہ
 ابوالخیر خاں بہادر تیغ جنگ تھے دونوں دولت نظام الدولہ
 آصفیہ میں محو خدمات رہے اور اپنی عزت و اختصاص سے
 بہرہ اندوز ہوئے! مختصر یہ کہ یہ اور ایسے ہی اور سربراہان
 اور نامور حضرات، اس کس مہر سی اور ناقدردانی کے زمانہ میں
 بھی بھی کھچی تاریخ کے اوراق میں جلوہ گر ہیں جو اسی خاندان
 کی شاخ۔ شجر فرید کے ثمر۔ ہیں مگر میں ان کو نواب فرید کا عزیز
 قریب نہیں سمجھتا اور اسی لئے ان کے مفصل حالات بھی
 قلم انداز کرتا ہوں!

نواب فرید کی ازواج چار تھیں۔ شاد بانو غالباً پہلی بیوی تھیں

اور یہی خاندانی تھیں۔ دوسری شاہ پرور خانم، اعظم الدولہ صاحب
 کی صاحبزادی اور تاج محل کی بہن تھیں جن کو شادی کے
 بعد عرف عام میں جانب جی پکارتے تھے یہ بھی عالی المنسب
 تھیں اگرچہ بابا صاحب کی اولاد میں سے نہ تھیں ! بقیہ
 دو بیویاں وہی تھیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان
 دونوں کے خاندان اور نسل کی نسبت اس سے زیادہ
 پتہ نہ چل سکا کہ ایک افغانی النسل اور دوسری راجپوت
 تھیں ! اولاد صرف اول الذکر دو بیویوں سے ہوئی اور ان
 ہی سے نام چلا ! شاہ پرور خانم کے بطن سے صرف ایک
 صاحبزادی بی بی جمینی تھیں اور شاد بانو کے بطن سے شیخ
 نظام الدین، شیخ عبدالہادی، شیخ نصر اللہ اور شیخ
 افضل چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بی بی متا
 تھے !

شیخ نظام الدین بڑے لڑکے تھے اور نواب فرید کے
 سامنے ہی پر پڑزے نکال کر محو خدمات ہو چکے تھے، یہی
 وہ شیخ نظام ہیں جو ۱۸۵۷ء میں معرکہ سموگر ٹھہ میں اپنے

والد ماجد کے دوش بدوش انہما رثجاعت و پامردی کے لئے سینہ سپر رہے اور دربار عالمگیری سے ”یک ہزار ذوات“ اور دو چار صد سوار“ کے منصب سے سرفراز ہوئے!

شیخ عبد الہادی دوسرے صاحبزادے تھے۔ یہ بھی نواب فرید کی حیات ہی میں روشناس طبقہ منصبداران ہو چکے تھے۔ قلمی کتب تاریخ خاندانی کا بیان ہے کہ نواب فرید نے گوشہ گزیہی کے زمانہ میں ان کو روانہ بارگاہ عالمگیری کر دیا تھا اور اُسی زمانہ میں ان کا منصب مقرر ہوا تھا۔ خداست پسندیدہ کے بدولت کچھ عرصہ کے بعد خلعت ملنا اور ”دیوان“ کا خطاب عطا ہونا بھی پایا جاتا ہے! چنانچہ تمام قلمی کتابوں میں ان کا نام عبد الہادی دیوان ہی تحریر ہے! جنگ سفید خاک مضافات غزنی و کابل میں مہلک زخم کھا کر شہید ہونا بھی درج ہے۔ غالباً سفید خاک سے کوہ سفید مراد ہوگی!

مدفن بھی اُسی جگہ تحریر ہے مگر بعض روایات سے جنگ مذکور کے بعد مفقود و الجبر ہو جانا بھی پایا جاتا ہے! شیخ نصر الدین تیسرے صاحبزادے تھے جن کے نام سے

موضع نصر اللہ پور۔ شیخ پور سے تین میل مغرب و جنوب کے گوشہ میں۔ اب تک آباد ہے۔ اگرچہ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اُس کا بڑا حصہ ان کی اولاد کی ملکیت عرصہ سے نہیں رہا ہے! یہ نواب فرید کے روضہ میں مدفون ہیں! شیخ محمد فضل چوتھے اور سب سے چھوٹے لڑکے تھے جو مالک الدین اور درویش منش تھے۔ دنیاوی جھگڑوں سے پاک رہے اور جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ اپنے والد ہی کے مقبرے میں آرام فرماتے ہیں!

بی بی چمنی۔ یہ غالباً بڑی لڑکی تھیں۔ ان کی شادی شیخ شہاب الدین ابن بہان شاہ سے ہوئی تھی۔ بی بی چمنی کا روضہ سو تھ محلہ کے متصل نہایت عمدہ پرانی عمارت اب تک موجود ہے اور چمنی کے روضہ کے نام سے مشہور ہے! اس شہرت و تحقیق کے باوجود مجھے تعجب ہوتا ہے کہ صاحب کنز التاریخ اس روضہ کو خدا جانے کس چمنی خاں کا روضہ بنا دیتے ہیں۔

نمبر ۱۴۔ یہ بہان شاہ وہی ہیں جو شیخ زین العابدین المعروف بہ شیخ زین کے معاصر تھے۔ ”آبار واجداد“ کے باب میں مخدوم شیخ زین العابدین کا حال آپ ملاحظہ کر کے ہیں اور اب پھر دیکھ سکتے ہیں!

انہیں ہرگز سنا سچ بھلا دلی میں بھی عجالت اور خدا جانے کن کن عادات کو دخل دینے کی اجازت دیدی جاتی ہے! حافظ فضل اکرم صاحب مرحوم نے ”آثار بدایوں“ میں اس کی تصحیح بھی کر دی ہے! مجھے تعجب ہے کہ روضہ چہنی کے طرز عمارت اور گنبد کے رنگ و صورت پر بھی غور نہ کیا گیا ورنہ بی بی چہنی مرحومہ کے بجائے چمن خاں کو اس میں دفن کرنے کی کوشش نہ کی جاتی! لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی کی غلطی یا کسی کی کوشش: بی بی چہنی کو چمن خاں کا لباس نہیں پہنا سکتی! جو کچھ ہے اظہر من الشمس ہی اور جب تک لیل و نہار اُسے رگھیں گے رہے گا!!

نواب فریدی کی اولاد ان کے لڑکوں شیخ نظام، عبدالہادی دیوان اور شیخ نصر اللہ سے چلی! عبدالہادی دیوان کے صاحبزادے شیخ محمد مراد منبر پر آوروہ اور اپنے زمانہ کے مغزز منصب داران شاہی میں سے ہوئے! طبیعت تو چاہتی ہے کہ اس داستانِ پاستان کو زمانہ موجودہ تک پہنچا دوں مگر ”نواب فریدی“ کی سوانح عمری کا خیال میرے قلم کو روکتا ہے! خیر اگر حیاتِ بے بنیاد اور مشاغلِ اوقات کشنے

دم لینے دیا تو اس کا دوسرا حصہ لکھوں گا اور نواب مرحوم کی موجودہ اولاد تک اس سلسلہ کو تفصیل کے ساتھ پہنچاؤں گا۔ دعا ہے کہ خدا مجھے اس کی توفیق بھی دے اور تمہیں بھی! تاہم نواب مرحوم کی موجودہ اولاد اُن کی سوانح عمری دیکھ کر بہ آسانی سمجھ سکتی ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی! دیکھنے والی نظر کو تو نواب فرید کا عنقریب نابود ہو جانے والا مقبرہ ہی بہت کچھ بتا سکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ درود یوار پر توجہ نہ کرنے والی نظر شاید ان اوراق پریشاں میں وہ جو ہر دیکھ لے جو فی الحقیقت اُس روضہ کی ایک ایک بوسیدہ اینٹ میں صدیوں سے جھلک رہا ہے! خدا کے فضل سے نواب فرید کی موجودہ اولاد متمول، غرت، مرتبہ، فارغ البالی، وقت، کسی چیز کی بھی محتاج نہیں ہے لیکن حبِ اسلاف اور عزت حقیقی کے سمجھنے سے قاصر ہے! نواب فرید کا روضہ کس پہیسی کے عالم میں نیست و نابود ہو کر ہر سال بڑھنے والی ندی کے نذر ہو جائے۔ اُس کے ساتھ متعدد بزرگوں کی قبریں بحرِ عدم میں ڈوب جائیں۔ مگر ہمیشہ زندہ رہنے والے کارنامے اُس وقت تک نہیں مٹ سکتے جب تک کہ بھی کچھ تاریخ

بھی بد مذاقی کے بدولت معدوم نہ ہو جائے! اکثر و بیشتر
 زندہ جاوید نام موادِ تاریخ کے فنا ہونے کے ساتھ فنا ہو گئے
 لیکن اب بھی جو کچھ پھول کسی کسی گوشہ میں کھلے رہ گئے ہیں
 شامہ بُوڑیں اور باصرہ جو ہر شناس کو مست مئے قومیت
 کر دینے کے لئے کافی ہیں!!

سب کہاں؟ - کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں -
 خاک میں کیا صوتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں!!

تمام شد

ابن مسلم

ایک دھپ اور اخلاقی ناول۔ دہلی کی ششہ روزمرہ میں۔ تمدن اسلام کا
 بے نظیر ٹو پیش کرتا ہے۔ ”عبد الرحمن بن مسلم“ اس کا ہیرو اور ”شیریں بنت طرخان“
 اس کی ہیروئن ہے اور ابن مسلم، اگر اسلامی کیرکٹر کا بہترین نمونہ ہے تو ”شیریں“
 مشرقی خاتون کی عصمت و پاکبازی کی بے نظیر تصویر! شیطان و غورک
 کے قالب میں دراندازی کے ساتھ ہلاٹ کو لطیف بنادینے کے ساتھ جذبہ
 محبت و جذبہ حیوانیت کے اظہار فروغ کا موقعہ دیتا ہے! اس تصنیف کے
 لئے ملک کے تمام ادبی رسائل سلطان حیدر صاحب جوش کو داد دے
 رہے ہیں! عام طور پر پوری کتاب اور خاص طور پر اس کا ایک حصہ ”لیکچر“
 اعلیٰ درجہ کے لٹریچر سے لبریز ہے! موجودہ حالت میں ایسے ناول کے نکلنے سے
 علم ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے! بازاری نادلوں نے آج کل بہت کچھ
 مذاق ملک کو خراب کر دیا ہے جو محض تجارتی اصول پر مبنی ہوتے ہیں اور خود روگیا
 سے زیادہ وقعت نہیں دیتے! لیکن ”ابن مسلم“ ان تصانیف کے شمار میں آتا ہے جو
 ادبی، اخلاقی، سوشل۔ اور بین الاقوامی نمونہ بننے کے ساتھ ہی پولیٹیکس کی رہنمائی سے
 بھی لکھا گیا ہے! ۲۲۱ کی تقطیع کے ۲۸۸ صفحات ۲۰ پونڈ کا آدھری فٹنگ دیکھنا
 طاقت کا غرور خشک چھپائی۔ اور اس سب پر قریب صرف ۱۲ روپے آج ہی دیجیے
 ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

بدایوں

